

عقیدہ کے موضوع پر امام ابن قدامہ المقدسی (المتوفی ۶۲۰ھ) کی عظیم کتاب ”لمعۃ الاعتقاد“
اور اس پر فضیلۃ الشیخ مخیر بن صالح العثیمین کی نفیس شرح کا اردو ترجمہ کے

المسمی

عَقَائِدُ سَلَفِ الصَّالِحِينَ

کتابِ سُنَّت کی روشنی میں

ترجمہ و تقدیم

عبد اللہ ناصر الرحمانی

بشرا

مکتبہ عبد اللہ ابن مسعود لکھنؤ لترجمہ مکتبہ الاسلامیہ



سلسلہ احیاء وفتح السلف ۲

تقریباً ۱۲۰۰ سال پہلے امام ابن قدامہ المقدسی (المتوفی ۱۱۶۰ھ) کی ضخیم کتاب ”لکۃ الاستعداد“ اور اس پر فضیلہ الشیخ محمد بن مسعود الثعلبی کی تفسیر کا اردو ترجمہ

المسمی

عَقَائِدُ سَلَفِ الصَّالِحِينَ

کتابِ سُنَّتِ کِی رُوشَنی مِیں

ترجمہ و تقدیم

عبد اللہ ناصر الرحمانی

شیخ

مکتبہ عبد اللہ ابن مسعودؓ لاہور، لترجمہ کتب الاسلامیہ





حقوق الطبع محفوظة لمكتبة عبد الله بن سلام



انتاج : مكتبة عبد الله بن سلام لترجمة كتب الإسلام، فرع (1)
 رئيس المكتبة : فضيلة الشيخ / علي بن عبد الله النقي حفظه الله تعالى
 مدير المكتبة : فضيلة الشيخ / عبد الله ناصر الرضائف حفظه الله تعالى

مكتبة عبد الله بن سلام لترجمة كتب الإسلام

E-mail: maktabaibn-e-salam@hotmail.com

ہیڈ آفس : 103 - ڈی - او - ایچ - ایس فیزا ملیر کینٹ کراچی - فون : 4901816

ملنے کا پتہ : جامع مسجد الزاشری موسیٰ لین لیاری کراچی - فون : 7511932

برائے رابطہ : سعد بن عبد العزیز موبائل : 0300-2310189

32	مقدمہ از صاحب لمعة الاعتقاد (ابن قدامة رحمہ اللہ)
34	صاحب لمعة الاعتقاد کا مقدمہ کن امور کو متضمن ہے
36	صفات باری تعالیٰ پر مشتمل آیات و احادیث کو تسلیم و قبول کرنے کا بیان
38	نصوص صفات کی اقسام اور ان کے تعلق سے لوگوں کے طرز عمل کا بیان
40	نصوص کے واضح ہونے اور مشکل ہونے پر کچھ تبصرہ
41	الرد، التأویل، التشبيه اور التمثيل، ان سب کا معنی مع بیان الحکم
43	صفات باری تعالیٰ کے بارہ میں ائمہ سلف کا کلام
44	امام احمد رحمہ اللہ کے کلام کی چیدہ چیدہ باتیں
46	امام شافعی رحمہ اللہ کے فرمان میں مذکور، اہم امور
47	صفات کے متعلق سلف صالحین کا منج و طریق
48	سنت کی ترغیب اور بدعت سے ڈرانے کا بیان
49	سنت اور بدعت کی تعریف اور ان دونوں کا حکم
53	اتباع سنت اور اجتہاد عن البدعة کے متعلق سلف صالحین کے فرمودات
56	غلیفہ وقت کی موجودگی میں امام ادری کا ایک بدعتی کے ساتھ مناظرہ
59	اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل چند آیات کا بیان
59	مؤلف رحمہ اللہ کی بیان کردہ صفات باری تعالیٰ
59	پہلی صفت : الوجه (چہرہ)
60	دوسری صفت : الیدان (دو ہاتھ)
62	صفت الیدان کا قرآن میں تین مختلف وجوہ سے ذکر اور ان میں تطبیق
63	تیسری صفت : النفس : (نفس)
64	چوتھی صفت : المعجیء (آنا)
65	پانچویں صفت : الرضی (راضی ہونا)

نمبر شمار	فہرست مضامین
11	مقدمہ از مترجم
21	مقدمہ الشارح
22	﴿اسماء و صفات کے متعلق چند اہم قواعد﴾
22	(۱) پہلا قاعدہ : اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے بارہ میں کتاب و سنت میں وارد نصوص کے حوالے سے ہماری ذمہ داری۔
23	(۲) دوسرا قاعدہ : اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی کے متعلق اس قاعدہ کے تحت چند فروع ہیں:
23	پہلی فرع : اللہ تعالیٰ کے تمام نام ”حسنی“ ہیں۔
24	دوسری فرع : اللہ تعالیٰ کے نام کسی معین عدد میں محصور نہیں ہیں۔
25	تیسری فرع : اللہ تعالیٰ کے نام عقل سے نہیں شریعت سے ثابت ہوتے ہیں۔
26	چوتھی فرع : اللہ تعالیٰ کا ہر نام اس کی ذات پر دال ہے، نیز اس صفت پر دال ہے جو اس نام کے ضمن میں ہے.....
26	(۳) تیسرا قاعدہ : اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق اس کے تحت بھی چند فروع ہیں۔
27	پہلی فرع : اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اعلیٰ درجہ کی ہیں، کمال و مدح پر مشتمل ہیں، کسی صفت میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں ہے۔
28	دوسری فرع : اللہ تعالیٰ کی صفات کی دو قسمیں : ثبوتیہ اور سلبیہ
29	تیسری فرع : صفات ثبوتیہ کی دو قسمیں ہیں : ذاتیہ اور فعلیہ
29	چوتھی فرع : اللہ تعالیٰ کی ہر صفت پر تین سوال مرتب ہو سکتے ہیں:
30	تشکیل اور تکلیف میں فرق
30	چوتھا قاعدہ : (فرقہ ضالہ) معطلہ پر دو طریقہ

چھٹی صفت : المحبة (محبت کرنا)

ساتویں صفت : الغضب (غمہ کرنا)

آٹھویں صفت : السخط (ناراض ہونا)

نویں صفت : الكراهة (ناپسند کرنا)

اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل چند احادیث کا بیان

دسویں صفت : النزول (اترنا)

گیارہویں صفت : العجب (تعجب کرنا)

بارہویں صفت : الضحك (ہنسنا)

تیرہویں صفت : استوى على العرش (عرش پر مستوی ہونا)

عرش کی لغوی اور شرعی تعریف

چودھویں صفت : العلو (تمام مخلوقات سے بلند ہونا)

اللہ تعالیٰ کے آسمانوں میں ہونے کا مطلب

فصل کلام اللہ تعالیٰ (اللہ تعالیٰ کے کلام فرمانے کا بیان)

پندرہویں صفت : الکلام (کلام کرنا)

اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کے بارے میں اہل سنت کے مخالفین

پہلا فرقہ : جہمیہ

دوسرا فرقہ : اشعریہ

کلام کے متعلق مؤلف رحمہ اللہ کی عبارت پر شارح کی تعلیق

فصل القرآن کلام اللہ

قرآن کے متعلق عقیدہ

قرآن حروف و کلمات ہے

اوصاف قرآن

فصل : اہل ایمان کا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دیدار کرنے کا بیان

آخرت میں دیدار الہی

فصل : القضاء والقدر

مسئلہ تقدیر کا بیان

ایمان بالقدر چار امور سے مکمل ہوتا ہے۔

تقدیر گناہوں کیلئے جہت نہیں ہے

فعل عبد کے اللہ کی خلق اور بندے کا کسب ہونے میں تطبیق

مسئلہ قضاء وقدر میں حق سے منحرف لوگوں کا بیان اور ان کا رد

جبریہ :

قدریہ :

اللہ تعالیٰ کے ارادہ کی اقسام اور ان میں فرق

فصل : ایمان قول و عمل کا نام ہے

ایمان کی لغوی و اصطلاحی تعریف

فصل : رسول اللہ ﷺ نے جن امور غیب کی خبر دی ہے ان پر ایمان لانے کا بیان

السراج

ملک الموت کا موسیٰ علیہ السلام کے پاس آنا

اشراط الساعة (علامات قیامت)

☆ خروج الدجال (دجال کا نکلنا)

☆ نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

☆ یاجوج و ماجوج

قصہ یاجوج ماجوج کی قدر تفصیل

☆ خروج الدابة (زہرین سے جانور کا نکلنا)

143	(سورج کا مغرب سے نکلنا)
144	فتنۂ قبر
146	قبر میں عذاب یا پھر نعمتیں
148	النفس فی الصور (صور میں پھونکا جانا)
150	البعث والنشر (قبروں سے زندہ ہونا اور میدانِ محشر میں جمع ہونا)
152	الحساب
155	الموازنین (ترازو)
157	نشر الدواوین (صحائفِ اعمال کا پھیلا یا جانا)
159	اعمال نامہ کیسے تقسیم کیئے جائیں گے
160	الحوض (حوضِ کوثر)
161	صفة الحوض : (حوضِ کوثر کا تعارف)
163	الصراط (پلِ صراط)
163	صفة الصراط (پلِ صراط کیسی ہے)
164	(لوگ پلِ صراط کو کیسے عبور کریں گے)
167	الشفاعة :
171	الجنة والنار (جنت اور جہنم)
172	مكان الجنة والنار (جنت اور جہنم کہاں ہیں)
173	اهل الجنة واهل النار (جنت اور جہنم کے مستحق کون)
174	ذبح الموت (موت کی موت)
176	فصل: نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے حقوق کا بیان
178	خصائص النبی ﷺ
184	فضائل صحابہ

190	کسی کے جنتی یا جہنمی ہونے کی گواہی دینا
191	وہ لوگ جن کے جنتی ہونے کی تعیین ہو چکی ہے
193	وہ لوگ جن کے جہنمی ہونے کی تعیین ہو چکی ہے
195	گناہوں کے سبب اہل قبلہ (مسلمانوں) کی تکفیر کا حکم
197	حقوق صحابہ ﷺ
199	صحابہ کو برا بھلا کہنے کا حکم
201	ازواجِ مطہرات کے حقوق
204	امہات المؤمنین پر تہمت لگانے کا حکم
205	معاویہ بن ابی سفیان :
206	خلافت
207	خليفة کی اطاعت کا حکم
210	اہل بدعت سے قطع تعلقی اختیار کرنا
211	امورِ دین میں بحث و مناظرہ کرنا
212	اہل بدعت کی علامات اور ان میں سے بعض کا تذکرہ
213	(۱) رافضہ :
213	(۲) جہمیہ :
213	(۳) خوارج :
214	(۴) قدریہ :
214	(۵) مرجئہ :
214	(۶) معتزلہ :
215	(۷) کرامیہ :
215	(۸) سالمہ :

اشعار

215

حدیث ”اختلاف امتی رحمة“ پر مترجم حفظہ اللہ کی نفیس اور

216

جامع تعلیق (حاشیہ: نمبر ۱۵۴)

218

فروعی اختلاف

219

اجماع اور اسکا حکم

220

تقلید

220

تقلید پر مترجم حفظہ اللہ کی عمدہ اور جامع تعلیق (حاشیہ: نمبر ۱۵۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ از مترجم

ان الحمد لله نحمده ونستعينه ، ونستغفره ، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن
سيئات اعمالنا ، من يهده الله فلا مضل له ، ومن يضلل فلا هادي له ، وأشهد ان
لا اله الا الله وحده لا شريك له ، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله .

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾
﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا
وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ
كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا﴾

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾

اما بعد:

فان اصدق الحديث كتاب الله ، وأحسن الهدي هدي محمد ﷺ ، وشر
الامور محدثاتها ، وكل محدثة بدعة ، وكل بدعة ضلالة ، وكل ضلالة في
الدار .

ہم امام ابن قدامۃ المقدسی رحمہ اللہ کی عظیم کتاب ”لمعة الاعتقاد“ اور اس پر فضیلۃ الشیخ
محمد الصالح العثیمین رحمہ اللہ کی انتہائی نفیس اور مفید شرح ، اردو ترجمہ کے ساتھ پیش کرنے کی
سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اس عظیم تالیف کا موضوع عقیدہ ہے، وہ عقیدہ نہیں جس میں علم
کلام اور فلسفہ کی ملاوٹ اور بدبو شامل ہو، بلکہ یہ فرقہ ناجیہ منصورہ جس کے قیامت تک باقی اور
قائم رہنے کی خبر جناب رسول اللہ ﷺ نے دی ہے کا عقیدہ ہے؛ کیونکہ اس کتاب کے تمام

ہیں، ان پر بھی اللہ تعالیٰ کی مراد کے عین مطابق ایمان لاتا ہوں۔ اور میں رسول اللہ ﷺ پر بھی ایمان لاتا ہوں اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جو کچھ مروی ہے اس پر بھی رسول اللہ ﷺ کی مراد کے عین مطابق ایمان لاتا ہوں۔“

امام شافعی رحمہ اللہ کے اس قول کی تخریج آپ اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے، لیکن اس مبارک فرمان سے بہت سے طوائفِ باطلہ کا رد ہو جاتا ہے، ان کا بھی جو شرعی مسائل میں اور بالخصوص عقیدہ کے باب میں قرآن وحدیث کے نصوص پر اکتفاء کی بجائے آراء الرجال کو اپنانے کے باطل منہج پر قائم ہیں، اور ان کا بھی جو نصوص کتاب وسنت کو اپناتے تو ہیں لیکن مرضی کی تاویلوں کے ساتھ۔ گویا یہ قول معطلہ، معتزلہ، خوارج، روافض، مرجئہ، قدریہ اور مشبہہ وغیرہ تمام فرق کے باطل منہج پر ضرب کاری ہے، جبکہ منہج صدق و صواب یہ ہے کہ تمام مسائل میں وحی الہی پر انکاز ہو، اور مسائل عقیدہ تو بالخصوص قرآن وحدیث سے مأخوذ ہوں۔

اس لحاظ سے زیر نظر کتاب ”لمعة الاعتقاد“ کا انتخاب انتہائی قابلِ تعریف اقدام قرار پائے گا، اس کتاب کے قارئین کو مسائل عقیدہ کے بیان میں اسلوب سلف صالحین کے معطر ہونے محسوس ہونگے، اور ایسا کیوں نہ ہو اس کتاب کے مؤلف امام ابن قدامہ راسخین فی العلم میں شمار ہوتے تھے، جن کے بارہ میں سبط ابن الجوزی فرمایا کرتے تھے: ”انہیں دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کے کسی صحابی کی زیارت ہوگئی“

جن کے بارہ میں امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”وہ شیخ الاسلام ہیں..... جن کی تعظیم و امامت پر تمام گروہ متفق ہیں، صرف جہمیہ اور معطلہ نکیر کرتے ہیں“

اعتقادی مسائل کتاب وسنت اور کلام سلف سے ماخوذ و مبرہن ہیں، کوئی مسئلہ عقل کی اختراع نہیں ہے، اور یہ بات معلوم ہے کہ مسائل عقیدہ میں تمام تر انحصار وحی الہی پر ہے، اور یہی عقیدہ سلف کی مزیت و خاصیت ہے۔

ہم اپنے ادارہ (مکتبہ عبد اللہ بن سلام لترجمة کتب الاسلام) کی طرف سے کتب عقیدہ کے نشر پر زیادہ توجہ دے رہے ہیں کیونکہ عقیدہ اسلام کی اساس ہے، اس اساس پر تمام اعمال صالحہ کی عمارت تعمیر ہوتی ہے، اس اساس کی صحت پر تمام اعمال صالحہ کی صحت موقوف ہے، آج امت مسلمہ کے ضعف اور انحلال کا مرکزی سبب اساس عقیدہ کا مفقود ہونا ہے، جبکہ فقدان عقیدہ کا اصل خسارہ روز آخرت ظاہر ہوگا، جب تمام اعمال برباد ہو جائیں گے، اور عذاب الیم مسلط کر دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ . إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ﴾ (الشعراء: ۸۸، ۸۹)

ترجمہ: (اس دن مال و اولاد نفع نہیں دینگے، بلکہ صرف وہ لوگ کامیاب قرار دیئے جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے پاس قلب سلیم کے ساتھ آئیں گے)

قلب سلیم اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جو سلیم العقیدہ ہو اور سلیم العقیدہ ہونے کیلئے ضروری ہے کہ اس کا تمام تر انحصار و دار و مدار وحی الہی پر ہو، ہر نکتہ اللہ تعالیٰ کے قرآن یا رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے مأخوذ ہو، جس میں عقل و ہوی کو کوئی دخل حاصل نہ ہو، نصوص کتاب وسنت میں من مانی کی تاویلوں کی باطل روش بھی نہ ہو بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے اس فرمان کی مکمل عکاسی و ترجمانی ہو۔

”أمنت بالله وبما جاء عن الله على مراد الله، وأمنت برسول الله، وبما جاء عن

رسول الله، على مراد رسول الله“

یعنی: ”میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فرامین و احکام آئے

عقیدہ میں : لمعة الاعتقاد، کتاب القدر، ذم التأویل، البرهان فی مسألة القرآن، مسألة العلو، الاعتقاد، منهاج القاصدين فی فضل الخلفاء الراشدين، تحریم النظر فی کتب اهل الکلام، وغیره

اصول فقہ میں : روضة الناظر .

زهد و رقائق میں : الرقة والبكاء اور التوابين .

حدیث میں : مختصر علل الحديث للخلال . وغیرها من الكتب المطبوعة والمخطوطة .

شارح کتاب شیخ ابن عثیمین کے حالات زندگی

نام و نسب

آپ کا نام و نسب: ابو عبد اللہ محمد بن صالح بن محمد بن عثیمین الوہیبی التیمی ہے، آپ ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ میں سعودی عرب کے شہر عنیزہ میں پیدا ہوئے، اپنے نانا عبد الرحمن بن سلیمان آل دماغ سے قرآن کی قرأت و حفظ کی تکمیل کی۔ ابتدائی کتب مثلاً: مختصر العقیدہ الواسطیہ للشیخ عبد الرحمن السعدی، منهاج السالکین للشیخ عبد الرحمن السعدی، الاجرومیۃ اور الافیہ، شیخ محمد بن عبد العزیز المطوع سے پڑھیں، اس کے علاوہ فقہ و فرائض کی بہت سے کتب شیخ عبد الرحمن بن علی بن عودان سے پڑھیں۔

شیوخ :

آپ کے بڑے مشائخ میں سب سے اول شیخ، الشیخ عبد الرحمن بن ناصر السعدی شمار ہوتے ہیں، چنانچہ آپ کو ان کی طویل مصاحبت و ملازمت کا شرف حاصل ہے، اس دوران انہوں نے آپ سے توحید، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، فرائض، مصطلح الحدیث اور نحو و صرف کی کتب پڑھیں آپ کے دوسرے بڑے شیخ، سادہ الشیخ عبد العزیز بن بلال شمار ہوتے ہیں جن سے آپ نے

شیخ بخاری، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بعض رسائل اور کچھ کتب فقہ پڑھیں۔

تدریس :

آپ ۱۳۷۱ھ میں، جامع عنیزہ میں منصب تدریس پر فائز ہوئے، پھر ۱۳۷۲ھ میں المعهد الاعلیٰ ریاض سے منسلک ہو گئے، دو سال بعد دوبارہ عنیزہ تشریف لے آئے اور وہاں کے المعهد الاعلیٰ میں بطور مدرس خدمات انجام دینا شروع کیں، اس دوران کلیۃ الشریعہ کے منتسب طالب علم کی حیثیت سے تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا اور ساتھ ساتھ شیخ عبد الرحمن السعدی رحمہ اللہ سے ہی تلمذ و استفادہ کا تعلق قائم رکھا، اور ان کی وفات کے بعد جامع کبیر عنیزہ میں امامت کا منصب سنبھالا، اور معهد علمی میں تدریس کے ساتھ ساتھ عنیزہ کے مرکزی مکتبہ میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے، پھر جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ قصیم کے کلیۃ الشریعہ اور کلیۃ اصول الدین میں بطور مدرس منتقل ہو گئے، ان تمام تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ سعودی عرب کی کبار علماء کی مجلس کے رکن بھی منتخب ہوئے (جو بہت بڑا اعزاز ہے)

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کی دعوتی میدان میں بڑی خدمات ہیں، علماء و طلاب علم کے درمیان آپ کے علمی دروس، بالخصوص وہ دروس جو آپ نے عنیزہ کی جامع کبیر میں دیئے یا رمضان المبارک میں ہر سال اعتکاف کے دوران مسجد حرام میں دیئے، کا بڑا شہرہ ہے، اس کے علاوہ موسم حج کے دوران، نیز مختلف صحف و مجلات میں، نیز ریڈیو کے پروگرام ”نور علی الدرب“ میں آپ کے علمی فتاویٰ بڑے معروف ہوئے۔

تصانیف :

شیخ ابن عثیمین بہت سی نافع کتب کے مؤلف ہیں، ہم صرف عقیدہ کے باب میں ان کی بعض کتب کا ذکر کرتے ہیں:

(۱) فتح رب البریہ بتلخیص الحمویۃ .

(۲) نبذ فی العقیدہ الاسلامیہ۔ یہ کتاب ارکانِ ایمان کی مفصل شرح ہے اور مملکتِ سعودیہ کے علمی معاہد کے تیسرے سال میں داخلِ نصاب ہے۔

(۳) القواعد المثلّی فی صفات اللہ و اسمائہ الحسنیٰ۔ یہ کتاب اسماء و صفات سے متعلق قواعد کو انتہائی علمی انداز سے بیان کرتی ہے (ہمارے اردو ترجمہ کے ساتھ مطبوع ہے) (۴) شرح لمعة الاعتقاد، جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے۔

(۵) عقیدۃ اہل السنۃ والجماعۃ، اس میں اجمالی طور پر اہل السنۃ کے عقائد کا ذکر ہے (۶) شرح العقیدۃ الواسطیۃ لابن تیمیۃ، یہ کتاب معاہدِ علمیہ کی دوسری جماعت میں شاملِ نصاب ہے۔

(۷) تفسیر آیۃ الكرسی، اس کتاب میں آیۃ الكرسی کی تفسیر کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات پر بڑی نفیس بحث ہے۔

(۸) رسالۃ فی الوصول الی القمر۔

(۹) ان کتب کے علاوہ آپ کے عقیدہ کے موضوع پر ہزاروں فتاویٰ ہیں جو مختلف کتب، مجلات اور صحف میں مطبوع ہیں

شیخ رحمہ اللہ کی یہ تدریسی، دعوتی اور تصنیفی خدمات جاری تھیں کہ پیامِ اجل آگیا اور آپ بروز بدھ مغرب سے کچھ دیر قبل بتاریخ ۱۵ شوال ۱۴۲۱ھ میں لاکھوں طلب علم کو سوگوار چھوڑ کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے، آپ کی نمازِ جنازہ جمعرات بعد نمازِ عصر بیت اللہ شریف میں امامِ حرم فضیلۃ الشیخ محمد بن عبد اللہ السبیل نے پڑھائی، آپ کو مقبرۃ العدل مکۃ المکرمۃ میں ساتھ الشیخ مفتی اعظمِ سودی عرب علامہ ابن باز رحمہ اللہ کے پہلو میں دفن کیا گیا اور دوسرے دن جمعۃ المبارک کے بعد پوری مملکت کی مساجد میں آپ کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی گئی۔ رحمہ اللہ رحمة واسعة وتعمده بواسع رحمته وغفرانہ وأدخله فسیح جنانہ۔

(ماخوذ من مقدمۃ الشیخ اشرف عبدالمقصود علی لمعة الاعتقاد)

کچھ ترجمہ کتاب کے بارہ میں

ہم نے اس عظیم الشان کتاب ”لمعة الاعتقاد“ اور اسکی شرح کے ترجمہ کیلئے جس نسخہ کا انتخاب کیا ہے اسے مکتبہ اضواء السلف الریاض نے فضیلۃ الشیخ اشرف عبدالمقصود بن مہد الرحیم کی تحقیق و تخریج کے ساتھ شائع کیا ہے، جنہیں شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اس کتاب کے طبع کی تحریری اجازت دی۔

یہ نسخہ بہت سے محاسن پر مشتمل ہے، جن میں متن اور شرح کی بڑی سہل اور خوبصورت ترتیب، آیات و احادیث کی تخریج، حکم علی الاحادیث، گاہے گاہے انتہائی نافع تعلیقات اور بعض اوقات استدراک اور تعاقب، شرح غریب الحدیث اور تفصیلی فہارس جیسے مفید امور شامل ہیں۔

ہم نے اپنے اس ترجمہ میں تقریباً ان تمام امور کی رعایت رکھی ہے اور ان تمام محاسن کا اہتمام کیا ہے۔

اظہار تشکر

عقیدہ جیسے اہم موضوع پر اس عظیم الشان کتاب کی تیاری پر ہمارے سب سے زیادہ شکر اور حمد شام کی مستحق اللہ رب العالمین کی ذات ہے، محض اس کی مدد اور توفیق سے یہ کتاب مرحلہ تکمیل تک پہنچی، فالحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات

اس کے بعد ہمارے شاگرد مولانا محمد داؤد شاہ صاحب حفظہ اللہ کا مسلسل و مستقل تعاون ہمارے لیے ایک گرانقدر نعمت ہے، انہوں نے اس کتاب کے بہت سے مضامین کا ترجمہ کر کے، حرف بحرف مجھے سنایا اور کافی حد تک تخریج کا کام بھی کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل اور اخلاص میں برکت عطا فرمائے اور اس کتاب کی تیاری میں جو ان کا وافر حصہ ہے اسے ان کا ذخیرہ آخرت بنادے۔

کیونگ کی ذمہ داری حسب دستور ہمارے شاگرد زبیر اسماعیل حفظہ اللہ نے انجام دی، اس

کیلئے کافی وقت صرف کیا اور بہت سے صبر آزمایہ مراحل عبور کر کے اس سفر کی تکمیل کی سعادت حاصل کر لی۔ فبارک اللہ فی علمہ وعملہ وشکر سعيہ۔

اس کتاب کی تیاری کے تمام مراحل نیز طباعت اور توزیع کے سلسلہ میں ادارہ کے مارکیٹنگ مینجر سعد بن عبدالعزیز حفظہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ جہود بھی انتہائی قابل قدر ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سعادت دارین عطا فرمائے۔

اپنے اہل خانہ کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے اس کام کیلئے ہمیں فراغت مہیا کرنے اور ہر طرح کی خدمت کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔

میں آخر میں اپنے گرامی قدر بھائی اور دوست فضیلۃ الشیخ علی بن عبداللہ النمی التیمی حفظہ اللہ کا شکر گزار ہوں جن کی ترغیب، تعاون اور اشراف، بطور خاص اس کتاب کی تکمیل کا باعث ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم خدمت کو ان کی میزان حسنات کا ذخیرہ بنادے اور تمام معاونین کو اس کا عظیم صلہ عطا فرمائے۔

اس کتاب کا موضوع عقیدہ اور توحید خالق کائنات ہے، جس کے پھیلاؤ کیلئے کوششیں صرف کرنے پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو شہادت دی (وسلام علی المرسلین) اللہ تعالیٰ ہماری بھی اس متواضع کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور ہمیں اپنی توحید کا سچا اور مخلص خادم بننے کی توفیق عطا فرمائے، اس کتاب کا نفع عام بنادے اور میرے، میرے والدین اور اساتذہ کرام کے گناہ معاف فرمادے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ وأهل طاعته أجمعین

وکتب ذلک/ عبداللہ ناصر الرحمانی

مدیر: مکتبۃ عبد اللہ بن سلام لترجمة کتب الاسلام، فرع (۱)

یکم شعبان ۱۴۲۵ھ

مقدمۃ الشارح

الحمد لله، نحمده ونستعينه ونستغفره ونتوب اليه، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا اله الا الله وحده لا شريك له، وأشهد أن محمدا عبده ورسوله، صلى الله عليه وعلى آله واصحابه، ومن تبعهم باحسان، وسلم تسليما كثيرا. أما بعد :

کتاب ”لمعة الاعتقاد“ پر یہ مختصری تعلیق ہے۔ اس کتاب کو امام ابو محمد عبداللہ بن احمد بن قدامة المقدسی نے تالیف فرمایا، جو ۵۴۱ھ ماہ شعبان میں نابلس کی ایک مضافاتی بستی میں پیدا ہوئے، اور ۶۲۰ھ میں عید الفطر کے دن دمشق میں انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ۔

یہ کتاب مسائل عقیدہ کا نہایت عمدہ نمونہ ہے، یہی وجہ ہے کہ معابد علمیہ کے تعلیمی بورڈ نے اس کتاب کو قسم ثانوی کے پہلے سال میں بطور نصاب شامل کرنے کی منظوری دی، تاکہ اس مرحلہ میں طلبہ کو عقیدہ کی انتہائی مضبوط اور ٹھوس بنیاد مہیا ہو جائے۔ کتاب کے موضوع اور منہج کی اہمیت کی پیش نظر، نیز یہ دیکھتے ہوئے کہ اس کی تاحال کوئی شرح نہیں لکھی جاسکی میں نے اللہ تعالیٰ کی مدد اور قصد عمل میں اس کی طرف سے حق و صواب کی امید کے سہارے اس بات کا عزم کر لیا کہ اس کتاب پر (بطور شرح) کچھ کلمات لکھوں، جو اس کے مشکل، مخفی اور مبہم مقامات کیلئے کشف و شرح کا کام دیں اور اس کے فوائد منظر عام پر آجائیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے پر امید ہوں کہ وہ مجھے پل بھر کیلئے بھی میری ذات کے سپرد نہیں فرمائے گا اور اپنی خاص توفیق و رحمت سے میری مدد فرمائے گا، اور میرے اس کام کو مبارک اور نافع بنادے گا، وہ انتہائی سخاوت اور کرم فرمانے والا ہے۔

محمد الصالح العثیمین (رحمہ اللہ تعالیٰ)

﴿اسماء وصفات کے متعلق چند اہم قواعد﴾ ☆

آغازِ شرح سے قبل، میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے متعلق چند اہم قواعد کا ذکر مناسب سمجھتا ہوں

(۱) پہلا قاعدہ

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے بارہ میں کتاب و سنت

میں واردِ نصوص کے حوالے سے ہماری ذمہ داری۔

واضح ہو کہ کتاب و سنت کے ان نصوص کے سلسلہ میں ہماری ذمہ داری یہی ہے کہ ہم ان کی ظاہری دلالت کو باقی رکھیں اور کسی قسم کی تغیر یا تبدیلی کی جسارت نہ کریں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بڑی فصیح عربی زبان میں قرآن حکیم نازل فرمایا، اس کے علاوہ نبی ﷺ بھی (فصح) عربی زبان میں گفتگو فرمایا کرتے تھے، لہذا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے کلام کی اسی دلالت کو باقی رکھنا ضروری ہے جو اس زبان کے ظاہر کے عین مطابق ہے، اور معنی ظاہر کو تبدیل کرنا، اللہ تعالیٰ پر بلا علم بات کرنے کے مترادف ہوگا، جو حرام ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾

(الاعراف: ۳۳)

ترجمہ: (آپ فرمائیے کہ البتہ میرے رب نے صرف حرام کیا ہے ان تمام فحش باتوں کو جو علانیہ ہیں اور جو پوشیدہ ہیں اور ہر گناہ کی بات کو اور ناحق کسی پر ظلم کرنے کو اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک ٹھہراؤ جس کی اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس بات کو کہ تم لوگ اللہ کے ذمہ ایسی بات لگا دو جس کو تم جانتے نہیں)

☆ شیخ محمد صالح العثیمین نے مسئلہ اسماء وصفات کے متعلق ”القواعد المشلی فی صفات اللہ وأسمائه الحسنی“ کے نام سے عظیم الشان کتاب تصنیف فرمائی ہے، اس کتاب میں شیخ رحمہ اللہ نے اسماء وصفات کے متعلق انتہائی عمدہ قواعد بیان فرمائے ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ یہ کتاب ہمارے ترجمے کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔

مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿بَلْ يَذَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ (المائدہ: ۶۴)

ترجمہ: (بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے)

اس آیت کریمہ کے ظاہر سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ اللہ رب العزت کے دو حقیقی ہاتھ ہیں۔ لہذا اے اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت کرنا واجب ہے، اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہاں ہاتھوں سے مراد قوت ہے، تو ہم کہیں گے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے کلام کو اس کے معنی ظاہر سے پھیر دیا ہے، جو کہ ناجائز ہے، کیونکہ ایسا کرنا اللہ تعالیٰ پر قول بلا علم کی جسارت کرنا ہے۔ (جس کا حرام ہونا آیت مذکورہ بالا سے ثابت ہو چکا ہے۔)

(۲) دوسرا قاعدہ:

اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنی کے متعلق

اس قاعدہ کے تحت چند فروع ہیں:

بہلی فرع: اللہ تعالیٰ کے تمام نام ”حسنی“ ہیں۔

حسنی سے مراد، غایت درجہ اچھے اور پیارے ہیں، کیونکہ یہ سارے نام اپنے اندر ایک مکمل صفت کو محسن میں لیے ہوئے ہیں۔ ان تمام صفات میں سے کسی بھی صفت میں کسی بھی طرح کا کوئی نقص نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى﴾ (الاعراف: ۱۸۰)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کیلئے پیارے پیارے نام ہیں)

مثال کے طور پر ”الرحمن“ اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں میں سے ایک پیارا نام ہے، اور یہ پیارا نام ایک عظیم اور پیاری صفت یعنی ”وسیع رحمت“ پر مشتمل وصال ہے۔ اس سے یہ سمجھنا مقصود ہے کہ مثال کے طور پر ”الدھر“ (یعنی زمانہ) اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے نہیں ہے؛ کیونکہ یہ کسی ایسے معنی یا صفت پر مشتمل نہیں جو حسن و جودت کی غایت اور انتہاء کو پہنچتا ہو۔ جہاں تک رسول اللہ ﷺ کے اس

ترجمہ: [اے اللہ میں تجھ سے تیرے ہر نام کے واسطے سے سوال کرتا ہوں، جو بھی نام تو نے اپنی ذات کے رکھے، یا جو نام تو نے اپنی کتاب میں اتارے یا جو نام تو نے اپنی کسی مخلوق کو تعلیم فرمادیئے، یا جو نام تو نے اپنے خزانہ غیب میں محفوظ فرمادیئے] [احمد، ابن حبان، حاکم]
 (اور جو نام اللہ تعالیٰ کے خزانہ غیب میں ہیں ان کا ہمارے لیے حصر و احاطہ ناممکن ہے)
 لیکن رسول اللہ ﷺ کا ایک اور فرمان: ملاحظہ کیجئے:

[إِنَّ لِلَّهِ تِسْعَةَ وَتِسْعِينَ اسْمًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ] (۴)

ترجمہ: [اللہ تعالیٰ کے نناوے (۹۹) نام ہیں جس نے ان کا احصاء کیا (احصاء سے مراد پڑھنا، سمجھنا، ان کے مطابق عقیدہ بنانا وغیرہ ہے) وہ جنت میں داخل ہوگا] [متفق علیہ]
 یہ فرمان مذکورہ حدیث سے بظاہر متعارض و متضاد معلوم ہو رہا ہے، مگر درحقیقت کوئی تعارض نہیں، کیونکہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جملہ ناموں میں سے نناوے (۹۹) نام ایسے ہیں جن کا احصاء کرنے والا جنت میں داخل ہوگا۔ یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کل نام نناوے (۹۹) ہیں اور ان کے علاوہ اس کا کوئی نام نہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ آپ یوں کہیں: میرے پاس سو روپے ہیں، جو میں نے صدقہ کیلئے رکھے ہوئے ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کے پاس کل سو روپے ہیں یہ جملہ اس بات کی نفی نہیں کر رہا ہے کہ آپ کے پاس صدقہ کی مد کے علاوہ اور روپے بھی موجود ہیں۔

تیسری فرع: اللہ تعالیٰ کے نام عقل سے نہیں شریعت سے ثابت ہوتے ہیں۔

اس کا معنی یہ ہے کہ تمام اسماء حسنیٰ توقیفی ہیں، جن کا اثبات شریعت (قرآن و حدیث) کی دلیل پر

= حاکم (۵۱۹/۱) ابن القیم نے شفاء العلیل ص (۲۷۴) اور شیخ احمد شاکر نے مسند احمد پر اپنی تعلیق (۳۷۲۱) اور شیخ البانی نے الصحیحۃ (۱۹۹) اور شعیب الأرنؤوط نے تخریج زاد المعاد (۱۹۸/۴) میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ابن القیم نے الفوائد ص (۲۶، ۲۳) میں اس حدیث کی اہمیت اور فوائد کو خوب خوب بیان کیا ہے،

(۴) بخاری کتاب الدعوات، باب اللہ مائة اسم غیر واحد (۶۱۰) مسلم، کتاب الذکر

والدعاء: باب فی اسماء اللہ تعالیٰ وفضل من أحصاها (۲۷۷) (۶)

فرمان کا تعلق ہے:

[لَا تَسْبُو اللَّهَ هَرَفًا إِنَّ اللَّهَ هُوَ اللَّهُ هُرُ] (۱)

ترجمہ: [دھر یعنی زمانہ کو گالی نہ دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ دھر ہے] [صحیح مسلم]

تو اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دھر کا مالک ہے اور دھر میں ہر قسم کا تصرف کرنے والا ہے، کیونکہ ایک دوسری روایت میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نقل فرمایا ہے:

[بِيَدِي الْأُمْرِ أَقْلَبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ] (متفق علیہ) (۲)

ترجمہ: [دھر کا تمام معاملہ میرے ہاتھ میں ہے، رات اور دن کو میں ہی پھیرتا ہوں]

(جس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ خود دھر نہیں بلکہ دھر کا مالک و متصرف ہے۔)

دوسری فرع: اللہ تعالیٰ کے نام کسی معین عدد میں محصور نہیں ہیں۔

اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

[أَسْأَلُكَ اللَّهُمَّ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ، سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ أَوْ عَلَّمْتَهُ أَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ أَوْ اسْتَأْذَنْتَ بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ] (۳)

(۱) مسلم: کتاب الألفاظ من الأدب: باب ألهم عن سب الدهر (۲۳۶) (۵) ابن حجر عسقلانی فتح الباری (۵۶۵/۱۰) میں فرماتے ہیں یہ حدیث مسند احمد میں ابویہریہ رحمہ اللہ سے ایک اور سند سے مروی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں [لا تسب الدهر فان الله قال: انما الدهر، الايام والليالي لي أجددها وأبليها وآتى ملوكاً بعد ملوك] [وسندہ صحیح]

ترجمہ: [زمانہ کو گالیاں مت دو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میں زمانہ ہوں، دن اور رات میرے ہیں میں انہیں نیا اور پرانا کرتا رہتا ہوں اور بادشاہوں کو ایک دوسرے کے پیچھے لاتا رہتا ہوں]

فائدہ: علامہ ابن القیم، زاد المعاد (۳۵۵/۲) میں فرماتے ہیں زمانہ کو گالی دینے والا دو باتوں میں سے ایک کا ضرور مرتکب ہوتا ہے، یا تو اللہ تعالیٰ کو گالی دیتا ہے، یا پھر اسکے ساتھ شرک کا مرتکب ہوتا ہے، کیونکہ اگر وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حوادث زمانہ کا قائل اللہ ہے اور پھر وہ قائل کو گالی دیتا ہے تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کو گالی دی

(۲) بخاری کتاب التوحید: (۷۹۱) مسلم، کتاب الادب، باب ألهم عن سب الدهر (۲۳۶)

(۳) حدیث صحیح ہے عبد اللہ بن مسعود کی ایک حدیث کا جزء ہے، احمد (۳۹۴/۱) ابن حبان (۲۳۷۲) =

موقوف ہے، لہذا اپنی عقل سے نہ تو کسی نام کا اضافہ کیا جاسکتا ہے، نہ کمی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کن ناموں کی مستحق ہے، عقل کیلئے اس کا ادراک قطعی ناممکن ہے..... لہذا یہ بات ضروری قرار پائی کہ اس سلسلہ میں صرف شریعت کی خبر پر ہی اکتفاء کیا جائے۔ پھر یہ بات بھی ملحوظ و معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کیلئے جو نام منتخب نہیں فرمایا، اسے وہ نام دے دینا، یا اس کے کسی ثابت نام کی نفی و انکار کر دینا اسکے حق میں ظلم و تعدی کے مترادف ہے۔

چوتھی فرع : اللہ تعالیٰ کا ہر نام اس کی ذات پر دال ہے، نیز اس صفت پر دال ہے جو اس نام کے ضمن میں ہے، نیز اگر وہ نام متعدی ہے تو اس کے اثر پر دال ہے۔
اللہ تعالیٰ کے کسی بھی نام پر ایمان لانے کا معنی مذکورہ بالا تینوں چیزوں کے اثبات سے مکمل ہوگا۔
غیر متعدی نام کی مثال: ”العظیم“ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا نام ہے، اور اس پر ایمان لانے کا معنی اس وقت تک مکمل نہیں ہوگا۔

☆ جب تک اسے اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام تسلیم نہ کر لیں، اور یہ کہ یہ نام اللہ تعالیٰ کی ذات پر دال ہے،
☆ اور جب تک اللہ تعالیٰ کی صفت عظمت کو تسلیم نہ کر لیں جو کہ اس نام کے ضمن میں موجود ہے۔
متعدی نام کی مثال: ”الرحمن“ ہے۔ اس نام پر ایمان لانے کا مفہوم تب ہی مکمل ہوگا جب:
☆ یہ ایمان لایا جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر دال ہے۔

☆ اور یہ ایمان لایا جائے کہ یہ نام صفت ”الرحمة“ کو متضمن ہے۔
☆ اور چونکہ یہ نام متعدی ہے لہذا یہ ایمان لایا جائے کہ اس صفت کا اثر مرتب ہوتا ہے، اور وہ یہ کہ وہ اپنے جس بندے پر چاہے رحمت فرماتا ہے۔

(۳) تیسرا قاعدہ

اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق

اس کے تحت بھی چند فروغ ہیں۔

پہلی فرع : اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اعلیٰ درجہ کی ہیں، کمال و مدح پر مشتمل ہیں، کسی صفت میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں ہے۔

یہ صفت ”الحیاء“، ”القدرة“، ”السمع“، ”البصر“، ”الحکمة“، ”الرحمة“، ”العلو“ وغیرہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْأَعْلٰی﴾ (النحل: ۶۰)
ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کیلئے تو بہت ہی بلند صفت ہے)

اور چونکہ اللہ رب العزت کی ذات کامل و اکمل ہے، لہذا اسکی ہر صفت کا کامل و اکمل ہونا لازمی ہے۔
اس سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ ہر وہ صفت جو کسی اعتبار سے کسی نقص پر مشتمل ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے حق میں ممتنع ہے، جیسے موت، جہالت، عجز، بہر اپن اور اندھا پن وغیرہ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو وعید شدید سے نوازا ہے، جو اس کی طرف کسی قسم کا کوئی نقص منسوب کرتے ہیں اور ان کے منسوب کردہ نقص سے اپنی پاکی اور تزیہ بیان فرمائی ہے، اور اس کا کسی صفت نقص سے متصف ہونا اس کی کمال ربوبیت کے منافی ہے۔

اور اگر کوئی ایسی صفت ہو جو من وجہ صفت کمال ہو اور من وجہ صفت نقص ہو، تو اللہ تعالیٰ کیلئے نہ تو مطلقاً ثابت ہوگی، نہ مطلقاً منقہ ہوگی، بلکہ اس قسم کی صفات میں تفصیل کا پہلو ضروری ہوگا، چنانچہ ایسی صفات کی حالت کمال اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہوگی، اور حالت نقص ممتنع ہوگی۔ جیسے صفت ”المکر“، ”الکید“ اور ”الخداع“ وغیرہ..... یہ تمام صفات اس صورت میں صفات کمال قرار پائیں گی جب مقابلہ مثل کے سیاق میں ہوں، کیونکہ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس صفت کو انجام دینے والا اپنے دشمن سے اس کے فعل کے مثل مقابلہ کرنے سے عاجز نہیں ہے..... اور جب سیاق میں مقابلہ نہ ہو تو پھر یہ تمام صفات، صفات نقص ہیں۔ لہذا یہ صفات پہلی صورت میں اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہیں اور دوسری صورت میں منقہ و ممتنع۔

اس حقیقت کو مندرجہ ذیل فرامین باری تعالیٰ سے سمجھیے

☆ ﴿وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَا كِرِينَ﴾ (الانفال: ۳۰)

ترجمہ: (وہ تو اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور سب سے زیادہ مستحکم تدبیر

والا اللہ ہے)

☆ ﴿اِنَّهُمْ يَكِيدُوْنَ كَيْدًا ۚ وَاَكِيدُ كَيْدًا﴾ (الطارق: ۱۵، ۱۶)

ترجمہ: (البتہ کافر داؤ گھات میں ہیں۔ اور میں بھی ایک چال چل رہا ہوں)

☆ ﴿اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ يُخَادِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ﴾ (النساء: ۱۳۲)

ترجمہ: (بے شک منافق اللہ تعالیٰ سے چال بازی کر رہے ہیں اور وہ انہیں اس چال بازی کا بدلہ دینے

والا ہے)

چنانچہ اگر آپ سے کہا جائے کہ کیا اللہ تعالیٰ صفت ”المکر“ سے متصف ہے۔ تو جواب میں نہ ہاں کہو، نہ نہ کہو۔ بلکہ یوں کہو کہ وہ اس شخص کے ساتھ (جیسے اسکی ذات کے لائق ہے) معاملہ مکر فرماتا ہے جو اس کا مستحق ہو۔ واللہ اعلم

دوسری فرع : اللہ تعالیٰ کی صفات کی دو قسمیں: ثبوتیہ اور سلبیہ

صفات ثبوتیہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی وہ صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کیلئے ثابت فرمائی ہیں، مثلاً: صفت ”الحیاء“، ”العلم“، ”القدرة“ وغیرہ.....

ان صفات کو اللہ تعالیٰ کیلئے جیسے اس کے شایان شان ہے ثابت کرنا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات کو سب سے زیادہ جانتا ہے اور اس نے ان صفات کو اپنے لیے ثابت فرمایا ہے۔

صفات سلبیہ سے مراد وہ صفات ہیں، جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے نفی فرمادی ہے، مثلاً: صفت ”ظلم“..... ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صفت ظلم کی نفی کی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے ظلم کی نفی فرمائی ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جس صفت کی نفی کی جائے، اس کی ضد بوجہ کامل واکمل اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت تسلیم کجائے، کیونکہ کسی صفت کی نفی اس وقت تک کمال نہیں ہو سکتی جب تک وہ اس کے بالمقابل صفت کے اثبات پر مشتمل نہ ہو۔ مثلاً: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا يَظْلِمُ رُبُّكَ أَحَدًا﴾ (الکھف: ۴۹)

ترجمہ: (تیرا رب کسی پر ظلم و ستم نہ کرے گا)

اب ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ظلم کی نفی کی جائے، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ظلم کی ضد ”عدل“ کی صفت کو اللہ تعالیٰ کیلئے بوجہ اکمل ثابت تسلیم کیا جائے۔

تیسری فرع : صفات ثبوتیہ کی دو قسمیں ہیں: ذاتیہ اور فعلیہ

صفات ذاتیہ سے اللہ تعالیٰ کی وہ صفات مراد ہیں جن سے وہ ہمیشہ سے اور ہمیشہ کیلئے متصف ہے، جیسے صفت ”سمیع“ و ”بصر“ وغیرہ۔

اور صفات فعلیہ سے مراد وہ صفات ہیں، جن کا صدور اس کی مشیئنت پر موقوف ہے، چاہے تو وہ اصل انجام دے اور چاہے تو نہ دے۔ مثلاً: صفت ”استواء علی العرش“ اور صفت ”المجیء“ (آنا) بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت ذاتی اور فعلی دونوں طرح سے ہوتی ہے، جیسے صفت ”کلام“، اگر اس صفت کو باعتبار اصل دیکھا جائے تو یہ صفت ذاتی ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے صفت کلام سے متصف ہے۔ اور ہمیشہ متصف رہے گا۔ لیکن کوئی کلام کرنے کے اعتبار سے صفت فعلیہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کلام فرمانا اس کی مشیئنت پر موقوف ہے، چنانچہ وہ جو چاہے اور جب چاہے کلام فرماتا ہے۔

چوتھی فرع : اللہ تعالیٰ کی ہر صفت پر تین سوال مرتب ہو سکتے ہیں:

☆ پہلا سوال یہ کہ کیا اللہ تعالیٰ کی یہ صفت حقیقی ہیں؟ اور کیوں؟

☆ دوسرا سوال یہ کہ کیا اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت بتلانا ممکن ہے؟ اور کیوں؟

☆ تیسرا سوال یہ کہ کیا اللہ تعالیٰ کی صفات، مخلوقات کی صفات کے مشابہ ہیں؟ اور کیوں؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں! اللہ تعالیٰ کی تمام صفات حقیقی ہیں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ کلام کا اصل حقیقت پر مبنی ہونا ہے، اور اس حقیقت سے عدول کسی صحیح دلیل کے بغیر جائز نہیں ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی تکلیف (بیان کیفیت) جائز نہیں، کیونکہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا يُحِيطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا﴾ (طہ: ۱۱۰)

ترجمہ: (مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ پر حاوی نہیں ہو سکتا)

اور کیونکہ انسانی عقل کیلئے اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت کا ادراک ممکن نہیں ہے۔



تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات، مخلوقات کی صفات کے مشابہ و مماثل نہیں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (الشوریٰ: ۱۱) ترجمہ: (اس کے مثل کوئی چیز نہیں)

اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کمال کا مستحق ہے جو ہر کمال سے بڑھ کر ہے، لہذا یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ کسی مخلوق کے مشابہ و مماثل ہو، کیونکہ مخلوق تو ہر اعتبار سے ناقص ہے

تمثیل اور تکلیف میں فرق

تمثیل اور تکلیف میں فرق یہ ہے کہ تمثیل سے مراد کسی صفت کی اس کے مماثل کے ساتھ مقید کر کے کیفیت بیان کی کرنا ہے، جبکہ تکلیف سے مراد کسی مماثل سے مقید کیے بغیر کیفیت بیان کرنا ہے۔

تمثیل سے مراد یہ ہے کہ جیسے کوئی یوں کہے: اللہ تعالیٰ کا ہاتھ انسان کے ہاتھ جیسا ہے۔ (یہ تمثیل ناجائز ہے)

تکلیف کی مثال یہ ہے کہ جیسے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کیلئے بغیر تشبیہ و تمثیل کے، کسی معین کیفیت کا تخیل کر لے..... یہ تخیل بھی باطل و ناجائز ہے۔

چوتھا قاعدہ:

(فرقہ ضالہ) معطلہ پر رد کا طریقہ

معطلہ، اللہ تعالیٰ کے کچھ اسماء و صفات کا انکار کرتے ہیں، اور نصوص صفات کے ظاہری معنی میں تحریفاً تبدیل کی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ انہیں مؤولہ بھی کہا جاتا ہے۔ ان پر رد کا قاعدہ عامہ یہ ہے کہ ہم ان سے کہیں گے:

اولاً: تمہارا یہ قول ظاہر نصوص کے خلاف ہے۔

ثانیاً: طریقہ سلف کے خلاف ہے۔

ثالثاً: تمہارے مذہب کی کسی صحیح دلیل سے تائید بھی نہیں ہوئی۔

بعض صفات میں ان کے رد کیلئے چوتھی وجہ یا اس سے زائد وجوہات بھی ممکن ہیں۔

نوٹ یہاں سے اصل کتاب اور اسکی شرح کا آغاز ہوتا ہے۔

مُتَذَنِّتًا

الشیخ، الامام، العلامة موقف الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامة المقدسی

علیہ رحمۃ اللہ، فرماتے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

[۱] الحمد للہ المحمود بكل لسان، المعبود فی کل زمان، الذی لا یخلو من علمہ مکان، ولا یشغله شأن عن شأن، جل عن الأشباه والأنداد، وتنزه عن الصاحبة والأولاد، ونفذ حکمہ فی جمیع العباد، لامتثلہ العقول بالتفکیر، ولا تتوهمہ القلوب بالتصویر،

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوری: ۱۱)

لہ الأسماء الحسنی والصفات العلیٰ

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ . لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَىٰ . وَإِنْ تَجْهَرُ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَىٰ﴾

(طہ: ۵۷ تا ۷۰)

احاط بکل شیء علما، وقهر کل مخلوق عزة وحکما، ووسع کل شیء

رحمة وعلما

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا﴾ (طہ: ۱۱۰)

موصوف بما وصف به نفسه فی کتابہ العظیم وعلی لسان نبیہ الکریم تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہیں، جو ہر زبان میں تعریف کیا جاتا ہے، ہر زمانہ میں عبادت کیا جاتا ہے، جس کے علم سے کوئی جگہ خالی نہیں، اور کوئی کام اسے کسی دوسرے کام سے

مائل نہیں کر سکتا، وہ ہر قسم کے ہمسر، ہم مثل سے بلند و بالا ہے، بیوی اور اولاد سے پاک ہے، تمام بندوں پر اس کا حکم نافذ ہے، عقول کسی بھی تفکیر سے اس کے مثل کا تصور نہیں کر سکتیں اور قلوب کسی بھی توہم سے اس کی تصویر نہیں بنا سکتے۔

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوری: ۱۱)

ترجمہ: (اس جیسی کوئی چیز نہیں بے شک وہ سننے، دیکھنے والا ہے)

اس کے انتہائی پیارے پیارے نام، اور انتہائی بلند و بالا صفات ہیں:

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ . لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَىٰ . وَإِنْ تَجْهَرُ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَىٰ﴾ (طہ: ۵۷ تا ۷۰)

ترجمہ: (وہ رحمن ہے، عرش پر مستوی ہے۔ جس کی ملکیت آسمان وزمین اور ان دونوں کے درمیان اور (کرۂ خاک کے) نیچے کی ہر ایک چیز ہے۔ اگر تو اونچی بات کہے تو وہ ہر ایک پوشیدہ، لہ پوشیدہ سے پوشیدہ ترجیز کو بھی بخوبی جانتا ہے)

وہ از روئے علم ہر شی کا احاطہ کیئے ہوئے ہے۔ اور باعتبار غلبہ و حکم ہر مخلوق پر غالب و قاهر ہے۔ اور باعتبار رحمت و علم کے ہر شی پر وسیع و حاوی ہے:

﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا﴾ (طہ: ۱۱۰)

ترجمہ: (جو کچھ ان کے آگے پیچھے ہے اسے اللہ ہی جانتا ہے، مخلوق کا علم اس پر حاوی نہیں ہو سکتا)

اس نے اپنی کتاب عظیم میں، نیز اپنے نبی ﷺ کی زبان سے اپنی جو صفات بیان فرمائی ہیں، ان تمام صفات کے ساتھ متصف ہے، (جس پر ہمارا کامل ایمان ہے)

..... شرح

اس کتاب کا نام ”لمعة الاعتقاد“ ہے، ”لمعة“ کے عربی لغت میں کئی معانی ہیں، ایک معنی ”البلغة من العیش“ (گزارہ لائق سامانِ زندگی) ہے اور یہی معنی موضوع کتاب سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے، اس معنی کی رو سے، لمعة الاعتقاد کا معنی ہوگا: البلغة من الاعتقاد الصحيح المطابق لمذہب السلف۔ (یعنی یہ کتاب اعتقادِ صحیح جو مذہبِ سلف کے مطابق ہے کی اتنی مقدار پر مشتمل ہے جس کی معرفت (عقیدہ کے باب میں) کفایت کر سکتی ہے۔

اعتقاد سے مراد: ذہن کا مؤکد اور قطعی حکم، اگر یہ حکم مطابق واقع ہے تو وہ صحیح اعتقاد کہلائے گا، ورنہ فاسد۔ واضح ہو کہ مؤلف رحمہ اللہ کا خطبہ مندرجہ ذیل امور پر مشتمل ہے:

(۱) آغاز کتاب ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ سے ہے، اس سے کتاب اللہ کی اقتداء اور سنتِ رسول اللہ ﷺ کی اتباع مقصود ہے۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کا معنی ہے، میں فلاں کام اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت و استعانت کے ساتھ انجام دے رہا ہوں، وہ اللہ جو وسیع رحمت کی صفت کے ساتھ موصوف و متصف ہے۔

”اللہ“ کا معنی: ”مألوه“ یعنی معبود ہے، ایسا معبود جس کی تمام تر محبت، تعظیم اور شوق کے ساتھ عبادت کی جائے۔

”الرحمن“ کا معنی: وسیع رحمت والا۔ اور ”الرحیم“ کا معنی: اپنی رحمت کو اپنی مخلوقات میں سے جس کی طرف چاہے پہنچانے والا۔

”الرحمن“ اور ”الرحیم“ کے مابین فرق یہ ہے کہ اول یعنی ”الرحمن“ کے اندر پائی جانے والی رحمت اس کے وصف کی حیثیت سے ہے۔ اور ثانی یعنی ”الرحیم“ میں پائی جانے والی رحمت، باعتبارِ فعل ہے۔ یعنی: اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے اپنی رحمت سے نواز دے۔

(۲) مؤلف رحمہ اللہ کے خطبہ میں دوسری بات، اللہ تعالیٰ کی ثناء ہے، جس کیلئے صیغہ ”الحمد“ استعمال ہوا، ”حمد“ سے مراد محمود کے اوصافِ کاملہ اور افعالِ حمیدہ کا نہایت محبت اور تعظیم کے ساتھ ذکر کرنا ہے۔

عقائد سلف صالحین

35

(۳) اللہ تعالیٰ، بولی جانے والی ہر زبان میں تعریف کیا جاتا ہے، اور اس کرۂ ارضی کے ہر مقام پر عبادت کیا جاتا ہے، یعنی ہر زبان میں اس کی حمد و ثناء بیان کرنا، اور ہر جگہ اسکی عبادت کرنا نہ صرف بہکے ہائز ہے، بلکہ وہ اس کا مستحق بھی ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت کا ذکر ہوا، چنانچہ کوئی جگہ اس کے علم، کمالِ قدرت اور احاطہ سے خالی نہیں، اور کوئی بھی کام اسے کسی دوسرے کام سے غافل نہیں کرتا، ہر چیز اور کام ہر وقت اس کے احاطہ کے اندر ہے۔

(۵) اس کی عظمت و کبریائی، نیز اس کا ہر شریک، شبیہ اور ہمسروہ، ہم مثل سے پاک و بلند و برتر ہونا کر ہوا، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ اس کی تمام صفات من کل الوجہ متصف بکمال ہیں۔

(۶) وہ ذات اپنے کمالِ غناء کی وجہ سے ہر بیوی، اور اولاد سے پاک، منزہ اور بے نیاز ہے (۷) اس کا ارادہ و غلبہ کس قدر کامل و تام ہے، کہ تمام بندوں پر اس کا ہر فیصلہ نافذ ہے، کسی ارشاد کی قوت، اور کثرتِ مال و سپاہ، اس کے فیصلے کے نفوذ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

(۸) اللہ رب العزت کی عظمت ہمارے تصور سے کہیں بڑھ کر ہے کہ عقول اس کی تمثیل اور گروہ اس کی تصویر کی ہرگز استطاعت نہیں رکھتے؛ کیونکہ

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ: ۱۱)

ترجمہ: (اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے شک وہ سننے، دیکھنے والا ہے)

(۹) اللہ تعالیٰ کیلئے بڑے پیارے نام اور اعلیٰ صفات ہیں۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش کا ذکر ہوا، جس سے مراد اس کا تمام خلق پر علو ہے، نیز وہ اول پر اس طرح مستقر ہے جیسے اس ذاتِ باری تعالیٰ کے کمال کے لائق ہے۔

(۱۱) وہ آسمانوں، زمینوں، ان دونوں کے درمیان اور مٹی کے نیچے جو کچھ ہے سب کا اکیلا مالک ہے۔

(۱۲) اس کے علم کی وسعت اور حکم و غلبہ کی قوت، کا ذکر ہوا، نیز یہ مخلوقات از روئے علم اس ذات کا

<https://abduhamidnasirremani.wordpress.com/>

”التسليم والقبول لايات واحاديث الصفات“

[۲] وكل ماجاء في القرآن، أو صح عن المصطفى عليه السلام من صفات الرحمن وجب الايمان به وتلقيه بالتسليم والقبول، وترك التعرض له بالرد والتأويل والتشبيه والتمثيل، وما اشكل من ذلك وجب اثباته لفظاً وترك التعرض لمعناه، ونرد علمه الى قائله، ونجعل عهده على ناقله، اتباعاً لطريق الراسخين في العلم الذين اثنى الله عليهم في كتابه المبين بقوله سبحانه وتعالى:

﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ (آل عمران: ۷)

وقال في ذم مبتغى التأويل لمتشابه تنزيله :

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ﴾ (آل عمران: ۷)

صفات باری تعالیٰ پر مشتمل آیات واحادیث

کو تسلیم وقبول کرنے کا بیان

قرآن پاک، یا مصطفیٰ علیہ السلام کی صحیح احادیث میں، رحمن کی جو بھی صفات وارد ہوئی ہیں ان پر ایمان لانا، اور انہیں مکمل تسلیم وقبول کے ساتھ مان لینا واجب ہے، اسی طرح ان صفات میں سے کسی بھی صفت کا رد، تاویل، تشبیہ اور تمثیل جیسے عقیدہ باطلہ میں مبتلا ہونے سے یکسر گریز کرنا بھی ضروری ہے۔ اور اگر کوئی صفت سبب اشکال بن رہی ہو تو اس کے لفظ کا اثبات واجب ہے، (۵) اور معنی کے درپے ہونے سے گریز ضروری ہے۔

(۵) تعاقب: شیخ محمد بن ابراہیم آل شیخ، صاحب لمعة الاعتقاد کے قول ”وجب الايمان به لفظاً“ کے متعلق فرماتے ہیں یہ لفظ لمعة الاعتقاد کے ان کلمات میں سے ہے جسکی معنی سے صاحب لمعة الاعتقاد نفی کیا گیا ہے۔

اس کا صحیح علم اس کے قائل (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف لوٹادیں اور اس کی ذمہ داری اس کے اہل کی طرف منتقل کردیں، راسخین فی العلم کے مبارک طریق کی اتباع کا یہی تقاضا ہے..... ان راسخین فی العلم کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں یہ کہہ کر ثناء فرمائی:

”کیونکہ یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب یہ ہے کہ کتاب وسنت میں ثابت اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات پر لفظاً و معنی ایمان لایا جائے اور یہ اعتقاد رکھا جائے کہ ان اسماء وصفات کا حقیقی معنی جو اس ذات باری تعالیٰ کے ہلال وعظمت کے لائق ہے، مراد ہے نہ کہ مجازی معنی۔ اس بات کے بے شمار ادلہ ہیں۔

قرآن وحدیث میں ثابت اللہ تعالیٰ کے اسماء کے معانی ظاہر اور معروف ہیں ان میں کوئی التباس، اشکال اور غموض نہیں ہے۔ صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے قرآن لیا اور احادیث نقل کیں اور کبھی بھی ان آیات واحادیث کے معانی میں انہیں مشکل پیش نہیں آئی، کیونکہ یہ احادیث وآیات اپنے معانی میں بالکل صریح اور واضح ہیں۔ صحابہ کرام کے بعد کے قرون خیر میں بھی یہ طرز عمل رہا جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ کے متعلق مروی ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کے قول ﴿الرحمن على العرش استوى﴾ کے متعلق سوال کیا گیا تو امام مالک رحمہ اللہ نے جواب دیا: ”استواء معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے، استواء پر ایمان لانا واجب ہے اور کیفیت کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے“ امام مالک کے استاد بیضا رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح کا قول مروی ہے، اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایسی ہی کلام مرفوعاً اور موقوفاً مروی ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی حقیقت اور کینیت کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے، کیونکہ صفت میں کلام کرنا موصوف میں کلام کرنے کی ایک فرع ہے، لہذا جس طرح یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کنہ (حقیقت) کیا ہے اسی طرح اس کی صفات کی حقیقت و کیفیت کا بھی علم نہیں ہے، امام مالک کے قول ”اور کیفیت مجہول ہے“ کا یہی مطلب ہے۔

لمعة الاعتقاد کی مذکورہ کلام، مذہب مفوضہ پر منطبق ہوتی ہے، حالانکہ یہ انتہائی گندہ اور غبیث مذہب ہے جبکہ صاحب لمعة الاعتقاد امام اہل سنت ہیں اور وہ مفوضہ اور دیگر مبتدعہ کے مذہب سے انتہائی دور ہیں (واللہ اعلم)

(کتب الافقاء (۳۲۸) نقل عن فتاویٰ و رسائل سلمۃ الشیخ محمد بن ابراہیم، جمع وترتیب محمد بن عبد الرحمن بن قاسم) میں کہتا ہوں: جو شخص بھی صاحب لمعة الاعتقاد امام ابن قدامہ کی تصنیفات کا مطالعہ کرے گا وہ اس بات کو یقینی طور پر جان لے گا کہ امام صاحب مفوضہ اور اہل التأویل کے مذہب سے انتہائی دور ہیں، امام صاحب نے تو اپنی کتاب ”ذم التأویل“ میں اہل التأویل اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے مفوضہ کا خوب رد فرمایا ہے، اور اسماء وصفات کے متعلق مذہب اہل السنۃ یعنی کتاب وسنت میں ثابت اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے لفظ و معنی پر ایمان لانا، کو کثابت

﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ (آل عمران: ۷)

ترجمہ: (اور پختہ اور مضبوط علم والے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لا چکے، یہ ہمارے رب کی طرف سے ہیں)

جبکہ قرآنی تشابہات کی تاویل کے درپے ہونے والوں کی یہ کہہ کر مذمت فرمائی:

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ﴾ (آل عمران: ۷)

ترجمہ: (پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی تشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، فتنہ کی طلب اور ان کی تاویل (مراد) کی جستجو کیلئے، حالانکہ ان کی حقیقی تاویل کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا)

تو اللہ تعالیٰ نے تشابہات کی تاویل کے عمل کو دلوں کی کجی کی علامت قرار دیکر اسے معرض ذم میں فتنہ جوئی کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا، اور آخر میں تاویل تشابہات کے سلسلہ میں ان کی امیدوں اور خواہشوں کی ڈوری کو یہ کہہ کر کاٹ دیا:

﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ﴾ (آل عمران: ۷)

ترجمہ: (حالانکہ ان کی حقیقی تاویل کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا)

..... شرح

نصوص صفات کی اقسام اور ان کے تعلق سے لوگوں کے طرز عمل کا بیان کتاب و سنت میں، باری تعالیٰ کے حوالے سے وارد ہونے والے نصوص کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہ نصوص جو بالکل واضح اور ظاہر ہیں۔

= لمعة الاعتقاد کی عبارت ”وجوب الایمان بلفظاً“ مجمل اور تشابہ ہے جس کی صراحت اور وضاحت صاحب لمعة الاعتقاد کی تصانیف میں موجود محکم عبارتوں سے کی جائیگی، لہذا صاحب لمعة الاعتقاد سے جو محتمل عبارت منقول ہے اسے ان کی دیگر تصانیف میں موجود محکم عبارتوں کی طرف لوٹانا جائیے (واللہ اعلم)

(۲) وہ نصوص جو مشکل اور مخفی ہیں۔

واضح نصوص سے مراد، وہ نصوص ہیں جن کا لفظ اور معنی دونوں واضح ہیں، ایسے نصوص کے لفظ پر ایمان لانا اور اسکے معنی کا حقا اثبات واجب ہے، وہ اثبات بلا رد و تاویل ہو، بلا تشبیہ و تمثیل ہو..... کیونکہ وہ شریعت میں وارد ہوا ہے، لہذا مکمل ایمان اور قبول و تسلیم کا مظاہرہ واجب ہے۔

مشکل و مخفی امور سے مراد وہ نصوص ہیں جن کا معنی واضح نہ ہو، یا تو اس لیے کہ ان کی دلالت میں اہمال ہے، اور یا پھر اس لیے کہ پڑھنے والے کا اپنا فہم کوتاہ و قاصر ہے۔ ایسے نصوص کے بارہ میں ضروری ہے کہ اس کے لفظ کا اثبات تو ہو کیونکہ وہ شریعت میں وارد ہے، لیکن معنی میں توقف کیا جائے اور تکلفاً اس کے درپے نہ ہوا جائے، کیونکہ وہ مشکل اور مخفی ہے، جس پر ہم حکم نہیں لگا سکتے، لہذا اس کے علم کو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دیا جائے۔

وہ نصوص جن کا معنی مخفی و مشکل ہے کے حوالے سے لوگوں کے دو طرح کے طرز عمل سامنے آئے ہیں۔

(۱) ایک ان لوگوں کا طریقہ و طرز عمل جو راسخین فی العلم کہلاتے ہیں، جو محکمات و تشابہات پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں ﴿یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے﴾ یہ لوگ ایسے نصوص جن کے معانی کی معرفت و احاطہ تک رسائی ناممکن ہو، میں کسی بھی قسم کے تکلف معنی سے یکسر گریز کرتے ہیں..... اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی تعظیم اور نصوص شرعیہ کے ساتھ حسن ادب کا یہی تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی یوں مدح و ثناء فرمائی ہے:

﴿وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ (آل عمران: ۷)

ترجمہ: (اور پختہ اور مضبوط علم والے تو کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لا چکے، یہ ہمارے رب کی طرف سے ہیں)

(۲) دوسرا طریقہ ان لوگوں کا ہے جن کے دل کجی و تیرھ پن کا شکار ہیں، یہ لوگ فتنہ کو ہوا دینے اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین، اور طریقہ سلف صالحین سے دور رکھنے کیلئے تشابہات کی پیروی کی روش اپناتے ہیں، اپنی خواہشات کے مطابق (نا کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی مراد کے مطابق) ان کی

تاویل میں کر رہے ہیں، اور کتاب و سنت کے نصوص کو اپنے طعن و تشنیع کا اس طرح نشانہ بناتے ہیں کہ ان کی دلالت میں تعارض و تضاد اور نقص کے شبہات پیدا کر کے، مسلمانوں میں تشکیک اور ان کی راہ ہدایت کو تاریک و مبہم بنانے کی سعی نامراد کی کوششیں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں مذمت فرمائی:

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ﴾ (آل عمران: ۷)

ترجمہ: (پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اسکی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں، فتنہ کی طلب اور ان کی تاویل (مراد) کی جستجو کیلئے، حالانکہ ان کی حقیقی تاویل کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا)

نصوص کے واضح ہونے اور مشکل ہونے پر کچھ تبصرہ

واضح ہو کہ نصوص شرعیہ کا واضح اور مشکل ہونا ایک نسبی امر ہے۔ جس میں لوگ اپنے علم و فہم کے تفاوت کی بناء پر مختلف درجات رکھتے ہیں، مثال کے طور پر ایک نص شرعی ایسی ہے جس کا فہم ایک شخص کیلئے مشکل ہے، مگر وہی نص ایک دوسرے شخص کیلئے انتہائی واضح و ظاہر ہوتی ہے، لہذا اگر کسی نص شرعی میں کوئی اشکال محسوس ہو تو وہی طریقہ عمل اپنانا چاہیے جس کا گزشتہ سطور میں ذکر ہوا، یعنی اس کے معنی کے بالکل کھد در پے ہونے اور خطیاں مارنے سے گریز کیا جائے۔

اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ اگر امر واقع کو دیکھا جائے تو نصوص شرعیہ میں سے کوئی نص ایسی نہیں جو ایسی مشکل یا مخفی ہو کہ لوگ اس نص سے اپنے دین میں یا دنیا کی بھلائی کے متعلق معنی ہی نہ سمجھ پائیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نور مبین، بیان للناس، فرقان، تبیاناً لكل شیء، ہدایت اور رحمت کے اوصاف مبارکہ سے موصوف فرمایا ہے۔ ان تمام اوصاف کا تقاضا یہی ہے کہ شرعی نصوص میں سے کوئی نص ایسی ہو ہی نہیں سکتی جو فی الواقع مشکل ہو کہ امت کا کوئی فرد اسکے معنی کی معرفت حاصل ہی نہ کر پائے۔ (البتہ اگر کوئی نص کسی کیلئے موجب اشکال بن رہی ہے تو وہ اس کے ذہن کا قصور ہے، نہ کہ وہ نص ناقابل فہم ہے)

گزشتہ سطور میں درج ذیل اصطلاحات استعمال ہوئیں:

الرد، التأویل، التشبیہ اور التمثیل، ان سب کا معنی مع بیان الحکم لکھا جاتا ہے۔

☆ ”الرد“ سے مراد تکذیب اور انکار ہے مثلاً: کوئی شخص یوں کہے: اللہ تعالیٰ کا کوئی ہاتھ نہیں ہے، نہ ہیتاً نہ مجازاً۔ یہ عقیدہ کفر ہے، کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی تکذیب لازم آرہی ہے۔ ☆ ”التأویل“ کا معنی تفسیر ہے، لیکن یہاں تاویل سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے نصوص کی ایسی تفسیر کی جائے جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ کی مراد کے خلاف ہو، نیز صحابہ کرام و تابعین عظام کی تفسیر کے بھی خلاف ہو۔

تاویل کا حکم تین صورتوں سے بیان ہو سکتا ہے۔

(۱) پہلی یہ کہ تاویل اجتہاد اور حسن نیت سے صادر ہو، اور اس میں یہ پہلو کارفرما ہو کہ اگر حق میری اس تاویل کے خلاف ہو تو جو نبی حق سامنے آئے گا اپنی تاویل سے رجوع کر لوں گا۔ اس صورت میں تاویل قابل معافی ہے، کیونکہ اس کی طاقت و وسعت کی انتہاء اسی قدر تھی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة: ۲۸۶)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا)

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ تاویل محض خواہش نفس اور تعصب کی بناء پر صادر ہو، دریں صورت اگر لغت عربیہ میں اس تاویل کی کوئی وجہ نہ بنتی ہو تو وہ تاویل فسق قرار پائے گی، کفر نہیں! ہاں البتہ اگر اس تاویل سے اللہ رب العزت کی ذات میں کوئی نقص یا عیب لازم آرہا ہے تو پھر وہ تاویل کفر ہی قرار پائے گی۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ تاویل خواہش نفس اور تعصب کی بناء پر صادر ہو، اور لغت عربیہ میں بھی اس تاویل کی کوئی وجہ نہ بنتی ہو، تو یہ تاویل کفر قرار پائے گی، کیونکہ اس قسم کی تاویل کی حقیقت بلا وجہ تکذیب کے سوا کچھ نہیں۔

☆ ”التشبیہ“ سے مراد یہ ہے کہ وہ حقوق یا صفات جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کے کسی مشابہ کو ثابت کیا جائے۔ یہ کفر ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے، نیز اللہ تعالیٰ کے حق میں نقص کو موجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو جو کامل اور اکمل ذات ہے، مخلوق ناقص سے تشبیہ دی

جاری ہے۔

☆ ”التمثیل“ سے مراد یہ ہے کہ وہ حقوق و صفات جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کا مماثل مقرر کیا جائے۔ یہ کفر ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تکذیب و نفی ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ: ۱۱)

ترجمہ: (اس کی مثل کوئی چیز نہیں بے شک وہ سنے، دیکھنے والا ہے)

اس کے علاوہ تمثیل کا عقیدہ اللہ تعالیٰ کی تنقیصِ شان کا باعث ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق ناقص کا مثل قرار دیا جا رہا ہے۔ (والعیاذ باللہ)

☆ تمثیل اور تشبیہ میں فرق یہ ہے کہ تمثیل (مثل اور مثل بہ) میں من کل الوجوہ برابری کو متقاضی ہے، جبکہ تشبیہ (مشبہ اور مشبہ بہ) کے مابین من کل الوجوہ مساوات کی متقاضی نہیں ہے۔



کلام أئمة السلف في الصفات

صفات باری تعالیٰ کے بارہ میں ائمہ سلف کا کلام

[۳] قال الامام أبو عبد الله احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ فی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: [ان الله ينزل الى السماء الدنيا] و [ان الله يرى في القيامة] وما اشبه هذه الاحاديث: نؤمن بها، ونصدق بها، لا كيف، ولا معنى، ولا نرد شيئاً منها، ونعلم ان ما جاء به الرسول حق، ولا نرد على رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ولا نصف الله باكثر مما وصف به نفسه بلاحد ولا غاية:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ: ۱۱)

ونقول كما قال، ونصفه بما وصف به نفسه لانعدى ذلک، ولا يبلغه وصف الواصفين، نؤمن بالقرآن كله محكمه ومتشابهه ولا نزيل عنه صفة من صفاته لشناعة شنعت، ولا نتعدى القرآن والحديث، ولا نعلم كيف كنه ذلك الابتصديق الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وتثبت القرآن.

ترجمہ: امام ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل رحمہ اللہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان:

[إِنَّ اللَّهَ يَنْزِلُ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا]

ترجمہ: [بے شک اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے]

اور [إِنَّ اللَّهَ يُرَى فِي الْقِيَامَةِ]

ترجمہ: [بے شک قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی زیارت کی جائے گی]

اور اس قسم کے دیگر فرامین کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہم ان احادیث پر ایمان لاتے ہیں اور سب کی تصدیق کرتے ہیں لیکن ان صفات کی کیفیت نہیں جانتے، نہ ہی ان کا معنی (جو کہ معطلہ پیش کرتے ہیں) مانتے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ کی ان صفات میں سے کسی صفت کا رد یا

انکار نہیں کرتے، اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے صفات کے تعلق سے جو کچھ بیان فرما دیا سب حق ہے، ہم رسول اللہ ﷺ کے کسی فرمان کی تکذیب نہیں کرتے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی جو صفات بیان کر دی ہیں، اس پر اپنی طرف سے کوئی اضافہ بھی نہیں کرتے، اور نہ ہی کسی صفت کی حد یا غایت کا تعین کرتے ہیں ﴿اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ خوب سننے اور دیکھنے والا ہے﴾ (الشوریٰ: ۱۱) ہم صرف وہی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا، اور اللہ تعالیٰ کی وہی صفات بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی بیان فرما دیں، اللہ تعالیٰ کے فرمان اور بیان سے ہرگز تجاوز نہیں کرتے، اور اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کر نیوالے کسی صفت کی کنہ و حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے۔ ہم پورے قرآن پر خواہ وہ محکم ہو یا متشابہ ایمان لاتے ہیں اور (مطلد لوگوں کی پیدا کردہ) خرابیوں اور شبہوں کی بناء پر ہم اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا انکار نہیں کرتے اور قرآن و حدیث سے تجاوز و تعدی کا راستہ نہیں اپناتے، اور ہم اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی کنہ نہیں جانتے اور وہ سب کچھ مانتے ہیں جس کی رسول اللہ ﷺ نے تصدیق فرمائی، اور جس کا قرآن مجید نے اثبات کیا۔ (۷)

..... شرح

امام احمد رحمہ اللہ کے اس کلام کی چیدہ چیدہ باتیں

(۷) تفصیل کیلئے ان کتب کی طرف رجوع کریں: الصواعق المنزلة لابن القیم (۲۶۵/۱)

مختصر الصواعق المرسلة لابن الموصلی (۲۵۱/۲) مناقب الامام احمد لابن الجوزی (ص ۱۵۶)

ترجمة الامام احمد من تاريخ الاسلام للذهبي (ص ۲۷)

☆ الشيخ محمد صالح العثيمين ”فتح رب البرية في تلخيص الحموية“ (ص ۶۳) میں فرماتے ہیں: امام احمد رحمہ اللہ نے اپنی کلام میں جس معنی کی نفی فرمائی ہے، اس سے مراد معطلہ کا اختراع کردہ معنی ہے، معطلہ کتاب و سنت کے نصوص کے ظاہری معنی کو چھوڑ کر اور معنی مراد لیتے ہیں، امام احمد رحمہ اللہ کی نفی، معنی اور کیفیت دونوں کو شامل ہے۔ اور اس نفی سے مقصود دو گراہ اور بدعتی فرقوں معطلہ اور مشبہ کا رد ہے۔

☆ رسول اللہ ﷺ کی تمام احادیث جو اللہ تعالیٰ کی صفات کے بیان پر مشتمل ہیں، پر ایمان لانا اور اگلی تصدیق کرنا واجب ہے، کسی زیادتی یا کمی کے بغیر، اور کسی حد یا غایت کے تعین کے بغیر۔

☆ ہم اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کی تکلیف نہیں کرتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت کا بیان ہمارے لیے ناممکن ہے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کوئی کیفیت ہی نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات حقا ثابت ہیں اور ہر ثابت شئی کی کوئی نہ کوئی کیفیت ہوتی ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت موجود ہے، لیکن وہ ہمیں معلوم نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل کے قول ”ولا معنی“ (نہ ہی ان صفات کا معنی کرتے ہیں) سے مراد یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کا وہ معنی ہرگز نہیں ثابت کرتے جو ظاہر صفات کے خلاف ہے، جیسا کہ اہل تاویل کا گھناؤنا کردار ہے..... اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا کوئی معنی ہی نہیں..... ان صفات کا جو صحیح معنی ہے، جو مطابق ظاہر ہے، اور جسے سلف صالحین نے بیان کیا، وہ یقیناً ثابت ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے..... امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے کلام کا اگلا حصہ ”ولا نرد شيئا منها..... الخ“ (ہم اللہ تعالیٰ کی ان صفات میں سے کسی صفت کا رد یا انکار نہیں کرتے..... الخ) سے بھی یہ حقیقت آشکارہ ہوتی ہے، جس کا ملخص یہ ہے کہ انہوں نے صفات باری تعالیٰ میں سے کسی بھی صفت کے انکار کی نفی کا ذکر کیا ہے ساتھ ہی کسی بھی صفت کی کیفیت کے علم کی بھی نفی کر دی ہے، جو ہر صفت کے معنی مراد کے اثبات کی دلیل ہے

☆ پورے قرآن پر ایمان لانا واجب ہے، خواہ وہ محکم ہو (جس کا معنی واضح اور ظاہر ہوتا ہے) اور خواہ متشابہ ہو (جس کا معنی مشکل اور مخفی ہوتا ہے) ہم متشابہ کو محکم پر پیش کرینگے تاکہ متشابہ کا معنی واضح ہو جائے، اور اگر اس طرح بھی متشابہ کا معنی واضح نہ ہو تو پھر اس کے لفظ پر ایمان لے آئیں گے اور معنی کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں گے۔



[۴] قال الامام أبو عبد الله محمد بن ادریس الشافعی: امنت بالله وبما جاء عن الله، علی مراد الله، و امنت برسول الله وبما جاء عن رسول الله، علی مراد رسول الله.

ترجمہ: امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

میں اللہ تعالیٰ پر اور اسکی طرف سے آنے والے ہر فرمان پر، اللہ تعالیٰ کی مراد کے عین مطابق ایمان لاتا ہوں، اور رسول اللہ ﷺ پر، اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے آنے والے ہر فرمان پر، رسول اللہ ﷺ کی مراد کے عین مطابق ایمان لاتا ہوں۔ (۸)

..... شرح

امام شافعی رحمہ اللہ کے اس فرمان میں مندرجہ ذیل اہم امور مذکور ہیں:

☆ اللہ رب العزت نے اپنی کتاب مبین میں جو کچھ فرمادیا اس پر اللہ تعالیٰ کی منشا اور مراد کے مطابق بغیر کسی اضافہ، کمی اور تحریف کے ایمان لانا ضروری ہے۔

(۸) شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول مبنی برحق ہے، ہر مسلمان اسے اپنا اعتقاد بنالے، جس کسی نے اسے اپنا اعتقاد بنالیا اور اس قول کے متناقض کسی بات کو اپنا اعتقاد نہ بنایا، ایسا شخص دنیا و آخرت کی سلامتی کی راہ پر گامزن ہے (الرسالة المدنیة لابن تیمیہ ص ۱۲۱)

میں کہتا ہوں: باب اسماء وصفات میں امام شافعی رحمہ اللہ کے اہم اقوال میں سے یہ بھی ہے: اللہ تعالیٰ کیلئے اسماء وصفات ثابت ہیں، جس شخص پر اس باب میں حجت قائم ہو چکی ہے اس کیلئے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے رد کرنے کیلئے کوئی گنجائش نہیں ہے، اگر کسی نے حجت قائم ہو جانے کے بعد اس عقیدہ کی مخالفت کی وہ کافر ہے، البتہ اگر اس پر حجت قائم نہیں کی گئی تو وہ جہل کی وجہ سے معذور ہے، اسلیئے کہ اسماء وصفات کا علم عقل اور ذاتی رائے و سوچ سے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کیلئے اسماء وصفات کو ثابت کیا جائے اور ان صفات میں تشبیہ کی نفی کی جائے، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات سے تشبیہ کی نفی فرمائی ہے: ﴿لیس کمثلہ شیء و هو السميع البصیر﴾ (الشوری: ۱۱) مزید وضاحت کیلئے ”مختصر العلو“ للالبانی (ص ۱۷۷) اور ”اجتماع الجیوش الاسلامیہ“ لابن القیم (ص: ۵۹) کی طرف رجوع کریں۔

☆ رسول اللہ ﷺ نے اپنی احادیث مبارکہ میں جو کچھ بیان فرمادیا ان پر رسول اللہ ﷺ کی مراد کے مطابق بغیر کسی زیادتی، کمی اور تحریف کے ایمان لانا ضروری ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ کلام اہل تاویل اور اہل تمثیل دونوں پر رد ہے۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین پر، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مراد کے مطابق ایمان نہیں لایا، بلکہ اہل تاویل نے کمی کا جبکہ اہل تمثیل نے اضافہ کا ارتکاب کیا۔



[۵] وعلى هذا درج السلف وأئمة الخلف، كلهم متفقون على الاقرار والامرار والاثبات لما ورد من الصفات في كتاب الله وسنة رسوله من غير تعرض لتأويله

ترجمہ: سلف صالحین اور ائمہ متاخرین اسی منہج پر چلتے رہے، سب کے سب اللہ تعالیٰ کی صفات جو کتاب و سنت میں مذکور ہیں کے اقرار اور اثبات پر متفق ہیں، اور یہ کہ ان صفات کو معنی ظاہر پر جاری کر دیا جائے، اور کسی قسم کی تاویل کی جسارت نہ کی جائے

..... شرح

صفات باری تعالیٰ کے سلسلہ میں سلف صالحین کا طریق اور منہج یہ ہے کہ کتاب و سنت میں مذکور اللہ تعالیٰ کی ہر صفت کا اقرار و اثبات کیا جائے اور کسی صفت کی ایسی کسی تاویل کی جسارت نہ کی جائے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مراد کے مطابق نہ ہو۔



الترغيب في السنة والتحذير من البدعة

سنت کی ترغیب اور بدعت سے ڈرانے کا بیان

[۶] وقد أمرنا بالاعتصام بالسنن والآثارهم والاحتذاء بمنارهم وحذرنا المحدثات، وأخبرنا أنها من الضلالات، فقال النبي ﷺ: [عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدى، عضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة]

ترجمہ: ہمیں انہیں (اسلاف) کے نقش قدم کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور بدعات سے روکا اور ڈرایا گیا ہے، اور ہمیں بتلایا گیا ہے کہ بدعات سراسر گمراہی ہے، چنانچہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

[عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدى، عضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة]

ترجمہ: تم میری سنت اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا طریقہ اپناؤ اور اسے مضبوطی سے تھامے رہو، اور نئے نئے کاموں سے بچو، کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

..... شرح

عقیدہ اسماء و صفات میں منہج سلف صالحین کی اقتداء واجب ہے، کیونکہ رسول اللہ کا فرمان ہے:

[عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدى، عضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة]

ترجمہ: تم میری سنت اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا طریقہ اپناؤ اور اسے

مضبوطی سے تھامے رہو، اور نئے نئے کاموں سے بچو، کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (احمد، ابوداؤد، ترمذی، امام ترمذی نے اس حدیث کو ”حسن صحیح“ کہا ہے، شیخ البانی رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ کرام نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے) (۹)

سنت اور بدعت کی تعریف اور ان دونوں کا حکم

لغت عربی میں ”سنت“ بمعنی طریقہ مستعمل ہے، جبکہ شرعی اصطلاح میں ہر اس عقیدہ و عمل کو کہتے ہیں جس پر نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم قائم تھے۔

اتباع سنت واجب ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ﴾

(الاحزاب: ۲۱)

(۹) یہ حدیث صحیح ہے، احمد (۲/۱۲۶، ۱۲۷) ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ۔ الترمذی کتاب العلم، باب ماجاء فی الاخذ بالسنۃ واجتناب البدعۃ۔ ابن ماجہ فی المقدمة، باب اتباع سنۃ خلفاء الراشدين..... الدرامی (۴۳/۱) ابن حبان (۱۰۲، موارد) حاکم (۱/۹۷) السنۃ لابن العاصم (ص ۲۰، ۲۹) التبیہ فی دلائل النبوة (۶/۵۳۱) ابن عبد البر فی جامع بیان العلم وفضله (۱/۲۲۲، ۲۲۳)

اس حدیث کو امام ترمذی نے ”حسن صحیح“ کہا ہے۔ امام حاکم نے اس کی تصحیح اور ذہبی نے موافقت کی ہے۔ ابن عبد البر نے امام بزار کا قول ”صحیح ثابت“ ذکر کیا ہے۔ شیخ البانی نے صحیح الجامع (۲/۳۳۶) تخریج السنۃ لابن ابی عاصم (ص ۲۰، ۲۹، ۳۰) میں صحیح کہا ہے۔

فائدة: حافظ ابن رجب رحمہ اللہ جامع العلوم والحکم (ص ۳۶۵) میں اس حدیث کے تحت بدعت اور امور بدعات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اور بدترین بدعت وہ کلام ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق کہی گئی ہے کہ جس سے آپ ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین وغیرہ نے سکوت اختیار کیا ہے۔ ایک قوم نے تو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے متعلق کتاب و سنت سے ثابت امور کا انکار کیا ہے، ان کا گمان یہ ہے کہ کیونکہ عقل ان امور سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو منزه قرار دیتی ہے، اس لیے ہم اللہ تعالیٰ کو ان امور سے منزه سمجھتے ہوئے اس کی صفات کا انکار کرتے ہیں، کیونکہ ان صفات کا معنی اللہ تعالیٰ کیلئے محال ہے۔ جبکہ ایک قوم نے اللہ تعالیٰ کیلئے صفات کے اثبات کے ساتھ ساتھ ان صفات کے اس معنی کو جو مخلوق کیلئے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت کیا ہے، جبکہ سلف صالحین نے صفات کی کیفیت کے اثبات و نفی کرنے میں سکوت اختیار کیا ہے۔

ترجمہ: (یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں عمدہ نمونہ (موجود) ہے، ہر اس شخص کیلئے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن کی توقع رکھتا ہے)

نیز نبی ﷺ کا فرمان ہے:

[علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدى، عضوا عليها بالنواجذ]

ترجمہ: تم میری سنت اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کا طریقہ اپناؤ اور اسے داڑھوں میں دبا لو یعنی مضبوطی سے تھامے رہو]

اور بدعت کا لغوی معنی ”نئی چیز“، جبکہ شرعی اصطلاح میں ہر اس عقیدہ و عمل کو کہتے ہیں، جو نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کے عقیدہ و عمل کے برخلاف ہو اور اسے دین میں ایجاد کیا گیا ہو۔

بدعت حرام ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (النساء: ۱۱۵)

ترجمہ: (جو شخص باوجود راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بھی رسول اللہ ﷺ کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے، ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہو اور دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے)

نیز نبی ﷺ کا فرمان ہے:

[وایاکم ومحدثات الامور ، فان کل محدثة بدعة ، وکل بدعة ضلالة]

ترجمہ: [ہر نئے کام سے بچو، کیونکہ ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے]

[۷] وقال عبد الله بن مسعود رضي الله عنه: "اتبعوا ولا تبتدعوا ، فقد كفيتم"

ترجمہ: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے: تم سنت کی پیروی کرو، اور بدعت ایجاد نہ کرو،

کیونکہ دین تمہارے لیے کافی و شافی ہے۔ (۱۰)

(۱۰) حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کیجئے

[۸] وقال عمر بن عبد العزيز رحمه الله كلاما معناه : قف حيث وقف القوم ، فانهم من علم وقفوا ، وببصرنا فذكفوا وهم على كشفها كانوا أقوى ، وبالفضل لو كان فيها أحرى ، فلئن قلت : حدث بعد هم ، فما أحد ثمة الا من خالف هديهم ، ورغب عن سنتهم ، ولقد وصفوا منه ما يشفى ، وتكلموا منه بما يكفى ، فما فوقهم محسر ، وما دونهم مقصر ، لقد قصر عنهم قوم فجفوا ، وتجاوزهم آخرون فغلوا ، وانهم فيما بين ذلک لعلی هدی مستقیم . (۱۱)

(۱۰) یہ اثر صحیح ہے، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے متعدد تابعین نے یہ اثر نقل کیا ہے، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: (۱) ابو عبد الرحمن السلمي: ان کی روایت داری (۲۱۱) طبرانی کبیر (۸۸۷۰) المدخل للبیہقی (۲۰۴) البدیع والنبی ص ۱۰۱) ابن بطریق اعش عن حبيب بن ابی ثابت عن عبد الرحمن السلمي مروی ہے۔ امام بیہقی نے مجمع (۱۸۱/۱) میں فرماتے ہیں: ”ورجال رجال الصحیح“ (یعنی اس روایت کے راوی صحیح حدیث کے راوی ہے) میں کہتا ہوں: اس سند میں اعش اور حبيب بن ابی ثابت کا منقطع ہے اور یہ دونوں مدلس ہیں۔

(۲) ابراہیم النخعی: ان کی روایت کو ابو یوسف نے ”العلم“ (۵۴) میں بطریق علاء عن حماد ذکر کیا ہے۔ شیخ البانی نے اس سند کو صحیح قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: یہ سند صحیح ہے، ابراہیم النخعی نے اگرچہ عبد اللہ بن مسعود کا زمانہ نہیں پایا لیکن صحیح سند کے ساتھ ابراہیم النخعی کا یہ قول منقول ہے: کہ جب میں تمہیں عبد اللہ بن مسعود سے کوئی حدیث کسی راوی کے واسطے سے بیان کروں تو وہ حدیث میں نے سنی ہے (یعنی اس راوی سے اور اس راوی نے ابن مسعود سے) اور جب میں کہوں: ”قال عبد الله“ تو وہ روایت میں نے متعدد راویوں سے سنی ہے اور ان راویوں نے ابن مسعود سے سنی ہے۔ (۳) قتادة: ان کی روایت کو ابن وضاع نے ”البدیع والنبی عنہما“ (ص ۱۱) میں بطریق ابی ہلال عن قتادة ذکر کیا ہے۔ ابو ہلال محمد بن سلیم ہے، یہ راوی صدوق ہے البتہ اس میں ”لین“ (یعنی کچھ کمزوری) ہے۔ امام بخاری نے اس سے معلقاً روایت ذکر کی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان طرق سے عبد اللہ بن مسعود کا یہ اثر بلا ریب درجہ صحت کو پہنچ چکا ہے۔ (واللہ اعلم)

(۱۱) اس اثر کو ابن قدامہ نے ”البرہان فی بیان القرآن“ (ص ۸۸، ۸۹) میں عبد العزیز بن ابی المہاشون کے قول سے ذکر کیا ہے، اور آخر میں کہا ہے کہ عمر بن عبد العزیز سے اسی معنی کی کلام مروی ہے حافظ ابن الجوزی نے اسے مناقب عمر بن عبد العزیز“ (ص ۸۳، ۸۴) میں ذکر کیا ہے۔

ترجمہ: عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا قول ہے:

”جس مسئلہ میں قوم (سلفِ صالحین) نے وقوف کر لیا، تم بھی اس مقام پر ٹھہر جاؤ، کیونکہ ان کا وقوف علم و بصیرت کی اساس پر ہے (اور جن نئے امور کو تم نے اختراع کیا) ان کے کشف پر وہ یعنی سلفِ صالحین زیادہ قادر تھے، اور اگر ان میں کسی فضیلت کا کوئی بھی پہلو ہوتا تو وہ اس کے زیادہ حقدار تھے۔ اگر تم کہو! کہ یہ مسائل ان کے بعد پیدا ہوئے ہیں، تو ان مسائل کو انہی لوگوں نے تو پیدا کیا ہے جو ان کے طریقے کے مخالف اور ان کے منہج سے روگردانی کرنے والے ہیں، حالانکہ انہوں نے (سلفِ صالحین) ان مسائل کے متعلق اتنا کچھ بیان کر دیا ہے جو کافی وشافی ہے، اب ان سے آگے بڑھنا خواہ اپنے آپ کو مشقت و تکلیف میں ڈالنا ہے، (جس کا حاصل کچھ بھی نہیں) اور پیچھے رہنا (توزی) کوتاہی ہے۔ ایک گروہ نے ان کے معاملے میں کوتاہی کی چنانچہ وہ بالکل ہی الگ تھلگ ہو گئے اور دوسرے گروہ نے ان سے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو وہ غلو کا شکار ہو گئے۔ جبکہ سلفِ صالحین افراط و تفریط سے ہٹ کر منہجِ اعتدال، جو کہ راہِ مستقیم ہے پر گامزن تھے۔

[۹] وقال الامام أبو عمر الأزعی : عليك بآثار من سلف وان رفضك الناس، وایاک وآراء الرجال، وان زخرفوه لك بالقول

= حافظ ابن رجب نے اس اثر کا کچھ حصہ تھوڑے اختلاف کے ساتھ ”فضل علم السلف“ (ص: ۳۶) میں ذکر کیا ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں: ”ان السابقين عن علم وقفوا..... الخ“ (یعنی سلفِ صالحین نے علم کی بنیاد پر وقوف اختیار کیا ہے اور گہری بصیرت کی بنیاد پر رکے رہے، اگر وہ ان امور میں بحث کرنا چاہتے تو وہ اس کی پوری قدرت رکھتے تھے)

عمر بن عبدالعزیز کا مقصد یہ ہے کہ ”اسلاف کا سکوت علم و خشیت کی بناء پر تھا نہ کہ عجز و جہالت کی بناء پر۔ بعد کے لوگوں کا اس موضوع پر خوب بحث کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ یہ لوگ اسلاف سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔“ اس نکتہ کو سمجھنے کیلئے ”فضل علم السلف“ (ص: ۳۶، ۳۷) کا مطالعہ کریں۔

ترجمہ: امام ابو عمر الا زاعی رحمہ اللہ کا قول ہے:

”سلفِ صالحین کے آثار (منہج و طریقہ) کی پیروی کرو اگرچہ لوگ تمہیں چھوڑ دیں، اور لوگوں کی رائے سے بچو خواہ وہ اسے کتنا ہی مزین کر کے پیش کریں۔ (۱۲)

..... شرح

اتباعِ سنت اور اجتناب عن البدعة کے متعلق سلفِ صالحین کے فرمودات یہاں مصنف رحمہ اللہ نے سنت کی ترغیب اور بدعت سے اجتناب و تحذیر کے سلسلہ میں سلفِ صالحین کے دو اقوال ذکر فرمائے ہیں۔

(۱) پہلا قول:

جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے جو کہ نبی ﷺ کے جلیل القدر صحابی ہیں اور ۳۲ھ میں تقریباً ۶۳ سال کی عمر میں فوت ہوئے ان کے مذکورہ قول کا مفہوم یہ ہے:

” بغیر کمی بیشی کیلئے نبی ﷺ کی سنت کے ساتھ چٹ جاؤ اور دین میں نئی نئی باتیں ایجاد نہ کرو، کیونکہ دین کے معاملے میں تم سے پہلے لوگ یعنی رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب تمہیں کفایت کر گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر دین مکمل کر کے فرما دیا ہے:

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ (المائدہ: ۳)

ترجمہ: (آج میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا)

(۱۲) یا اثر صحیح ہے۔ شرف اصحاب الحدیث للخطیب (ص: ۷) الشریعة للآجری (ص: ۵۸) جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر (۱۱۴/۲) ان ائمہ نے اس اثر کو بطریق العباس بن الولید بن مزید البیرونی قال اخبرنی ابی قال : سمعت الاوزاعی یقول :..... ذکر کیا ہے۔ یہ سند بالکل صحیح ہے۔ ابن حجر العسقلانی کا تقریب (۳۹۹/۱) میں العباس بن الولید کو ”صدوق“ کہنا محلِ نظر ہے۔ ابن ابی حاتم، نسائی اور ابن حبان وغیرہم نے اس کی توثیق کی ہے، دیکھئے التہذیب (۵/۱۱۵، ۱۱۶) الجرح والتعدیل (۲/۲۱۶) اور طبقات الحنابلہ (۱/۲۳۵)

اس اثر کو حافظ الذہبی نے ”سیر اعلام النبلاء“ (۷/۱۲۰) اور ”العلو للعلی الغفار“ میں ذکر کیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ

اللہ نے ”مختصر العلو“ (ص: ۱۳۸) میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔

لہذا اب یہ دین مکمل ہے اور کسی قسم کے تکملہ کا محتاج نہیں ہے“

(۲) دوسرا قول

جلیل القدر تابعی امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (المولود ۶۳ھ، المتوفی ۱۰۱ھ) کا ہے،

ان کے قول کے اہم نکات درج ذیل ہیں

☆ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم جس عقیدہ اور عمل پر قائم تھے، اسی عقیدہ اور عمل پر قائم رہنا سب پر واجب ہے، کیونکہ ان کا اس عقیدہ و عمل پر قائم رہنا علم و بصیرت کی بنیاد پر تھا۔ ان کے بعد عقیدہ و عمل میں جو بدعات ایجاد کر دی گئی ہیں، اگر ان میں کوئی خیر و برکت ہوتی، تو وہ اسکے زیادہ حقدار تھے۔

☆ سلف صالحین کے بعد عقیدہ اور عمل میں جو بدعات ایجاد کر لی گئی ہیں ان میں سوائے ان کے منج و طریقہ کی مخالفت کے کچھ بھی نہیں۔ وگرنہ حقیقت یہ ہے کہ دین کے متعلق انہوں نے جو کچھ بیان کر دیا ہے اور کہہ دیا ہے، وہ لوگوں کیلئے کافی و شافی ہے۔

☆ لوگوں میں ایک طبقہ تو ایسا ہے جس نے سلف صالحین کے منج و طریقہ کی اتباع میں کوتاہی کی ہے، یہ تو گویا دین سے بالکل الگ تھلگ ہو گئے ہیں۔ اور ایک طبقہ ایسا ہے جس نے ان سے آگے بڑھنے کی کوشش کی ہے، تو یہ غلو کا شکار ہو گئے ہیں۔ جبکہ راہِ مستقیم تو غلو و تقصیر (افراط و تفریط) کے مابین ہے (جو منج اعتدال پر مبنی ہے)۔

(۳) تیسرا قول:

مؤلف رحمہ اللہ نے تیسرا قول امام عبدالرحمن بن عمر والاذاعی جو علماء تبع تابعین میں سے ہیں کا نقل فرمایا ہے، ان کے اس قول کا مفہوم یہ ہے کہ خواہ ساری دنیا تمہیں دھتکار دے مگر تم صحابہ و تابعین کرام رضوان اللہ علیہم کے منج و طریقہ کو لازم پکڑے رکھو، کیونکہ صرف انہی کا منج و طریقہ کتاب و سنت پر مبنی ہے۔ اور لوگوں کی رائے سے بچو اگرچہ لوگ اپنی رائے کو خوبصورت الفاظ اور عمدہ پیرایہ بیان میں ہی ذکر کیوں نہ کریں، کیونکہ باطل بطل ہی رہتا ہے اور ظاہری لفاظی اور ملمع سازی سے کبھی حق نہیں بن سکتا۔

واضح ہو کہ رائے ہر اس قول کا نام ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت و استناد کی بجائے محض ذاتی سوچ سے بیان کر دیا جائے۔

[۱۰] وقال محمد بن عبد الرحمن الأدرمي لرجل تكلم ببدعة ودعا الناس إليها: هل علمها رسول الله ﷺ وأبو بكر وعمر وعثمان وعلي، أولم يعلموها؟ قال: لم يعلموها. قال: فشيء لم يعلمه هؤلاء أعلمته أنت؟!! قال الرجل: فاني أقول: قد علموها. قال: أفوسعهم أن لا يتكلموا به ولا يدعوا الناس إليه أم لم يسعهم؟ قال: بلى وسعهم. قال: فشيء وسع رسول الله ﷺ وخلفاءه، لا يسعك أنت؟!! فانقطع الرجل. فقال الخليفة..... وكان حاضرًا..... لاوسع الله علي من لم يسعه ما وسعهم.

ترجمہ: ایک شخص نے ایک بدعی عقیدہ ایجاد کیا اور لوگوں کو اسے قبول کرنے کی دعوت دینے لگا، امام محمد بن عبد الرحمن الأدرمي نے اس سے دورانِ مناظرہ کہا: رسول اللہ ﷺ یا ابو بکر یا عمر یا عثمان اور علی رضی اللہ عنہم اس بات کو جانتے تھے یا نہیں؟ اس نے جواب دیا: نہیں۔ امام ادرمی نے فرمایا: جو بات وہ لوگ نہیں جان سکے تم جان گئے؟ اس بدعتی نے فوراً بات بدل دی اور کہا: میں کہتا ہوں وہ اس بات کو جانتے تھے۔ امام ادرمی نے فرمایا: جاننے کے باوجود اسے بیان نہ کرنا اور لوگوں کو اس کی دعوت نہ دینا ان کیلئے ممکن ہو یا نہیں؟ اس نے جواب دیا: کیوں نہیں، ان کیلئے ممکن ہوا۔ امام صاحب نے فرمایا: جو بات رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین کیلئے ممکن ہو گئی وہ تمہارے لیے ممکن نہیں ہو سکتی؟!! چنانچہ یہ بدعتی شخص لا جواب ہو کر خاموش ہو گیا۔ خلیفہ اس مناظرے میں موجود تھا وہ فوراً بول پڑا: جس شخص کو وہ چیز کفایت نہ کر سکے جو رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کو کفایت کر گئی اسے اللہ تعالیٰ کسی قسم کی وسعت عطا نہ فرمائے۔

[۱۱] وهكذا من لم يسعه ما وسع رسول الله ﷺ وأصحابه والتابعين لهم بإحسان، والائمة من بعدهم والراسخين في العلم من تلاوة آيات الصفات وقراءة أخبارها ومرارها كما جاءت فلا وسع الله عليه

ترجمہ: اسی طرح ہر وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ کی صفات کی آیات کی تلاوت، صفات پر مشتمل احادیث و اخبار کی قرأت اور ان تمام صفات کو ان کے ظاہری معنی پر محمول کرنے کے تعلق سے رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام، تابعین عظام، ائمہ ہدایت اور علماء راہین کا علم کفایت نہ کر سکا اسے بھی اللہ تعالیٰ کسی قسم کی وسعت اور کشادگی عطا نہ فرمائے۔

..... شرح

خلیفہ وقت کی موجودگی میں امام ادری اور ایک

بدعی عقیدہ کے حامل شخص کے درمیان مناظرہ

ہمیں امام ادری اور ان کے مناظر کے حالات نہیں مل سکے، (۱۳) نیز یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ مناظرہ کس بدعت پر منعقد ہوا لیکن ہمارے لیے اہم بات یہ ہے کہ ہم طریق مناظرہ کا فہم حاصل کرنے کیلئے اس مناظرہ کے مختلف مراحل کی معرفت حاصل کریں۔

امام ادری رحمہ اللہ نے مناظرہ کی بنیاد چند مراحل پر رکھی، تاکہ مرحلہ وار گفتگو کر کے اپنے مخالف کو لاجواب کر دیں۔

(۱۳) اس قصہ کو خطیب نے ”تاریخ بغداد“ (۷۵/۱۰) میں، ابن الجوزی نے ”مناقب الامام احمد“ (ص: ۴۳۱، ۴۳۶) میں، ابن قدامہ نے ”الذہبی“ (ص: ۱۹۴) میں، الذہبی نے ”سیر اعیان النبلاء“ (۳۱۳/۱۱) میں، الآجری نے ”الشریفة“ (ص: ۹۵، ۹۱) میں اور ابن کثیر نے ”البدایہ والنہایہ“ (۳۳۵/۱۰) میں ذکر کیا ہے۔

یہ قصہ دو سندوں سے مروی ہے، ایک سند طویل اور دوسری مختصر ہے، امام الذہبی اس قصہ کی مختصر سند کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں: یہ ایک دلچسپ قصہ ہے اگرچہ اس کی سند میں مجہول راوی ہے، البتہ اس کا شاہد موجود ہے، اس قول کے بعد امام الذہبی نے اس قصہ کی طویل سند ذکر کی۔

شیخ العثیمین رحمہ اللہ کے کلام سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اس قصہ میں چار مبہمات ہیں، امام الادری، انکے مد مقابل مناظر، خلیفہ جو مناظرے میں موجود تھا اور بدعت جو سبب مناظرہ ہے۔ ہم ان چار مبہمات کا تعارف پیش کرتے ہیں: =

مرحلہ: علم: امام ادری نے اپنے مقابل سے سوال کیا: کیا تمہاری اس بدعت کو نبی ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین جانتے تھے؟ اس بدعتی شخص نے جواب دیا: نہیں۔ یہ نبی ﷺ اور خلفائے راشدین میں نقص کو متضمن ہے، کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ نبی ﷺ اور خلفائے راشدین دین کے ایک اہم امر سے جاہل تھے۔ جبکہ یہ بات مسلم ہے کہ نبی ﷺ اور خلفائے راشدین اس نقص سے پاک ہیں، لہذا بدعتی شخص کا یہ جواب اس کے خلاف ایک زبردست حجت بن گیا، چنانچہ امام ادری نے اس دوسرے مرحلہ کی بنیاد رکھتے ہوئے کہا:

- **مبہم: امام الادری:** پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ الادری ہیں، ان کا پورا نام ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن محمد بن اسحاق الادری ہے۔ انہوں نے کعب، ابن عیینہ اور ابن مہدی وغیرہم رحمہم اللہ سے روایت لی ہے اور ان سے ابو داؤد اور نسائی رحمہم اللہ نے روایت لی ہے۔ امام ابو حاتم اور امام نسائی نے ان کی توثیق کی ہے، التہذیب (۵۰۴/۶) الانساب للسماعی، (۶۲/۱)

اس قصہ کے مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ صاحب قصہ یہی ہیں بہت سارے اہل علم نے بھی اسی بات کو ترجیح دی ہے، چنانچہ خطیب تاریخ بغداد (۷۵/۱۰) ابن الجوزی مناقب (ص: ۴۳۶) میں فرماتے ہیں: کہ حافظ ابو بکر احمد بن محمد بن اسحاق الشیرازی نے اس مناظرہ کو بیان کیا اور کہا کہ اس قصہ میں شیخ سے مراد، ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن محمد بن اسحاق الادری ہیں۔

خطیب اپنی تاریخ (۷۵/۱۰) میں فرماتے ہیں: کہ ہارون واثق باللہ نے اہل اذنہ میں سے ایک شیخ کو خلق قرآن کے سلسلہ میں سزا کیلئے مہجوس کر لیا، چنانچہ اس شیخ نے واثق باللہ کی موجودگی میں ابن ابی داؤد سے مناظرہ کیا، نتیجہ شیخ کی حجت اس پر غالب آگئی، واثق باللہ نے شیخ کو آزاد کر دیا اور انہیں ان کے وطن لوٹا دیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ شیخ ابو عبد الرحمن الادری ہیں۔

ابن حجر العسقلانی ”التہذیب“ (۵/۶) میں خطیب کی مذکورہ کلام ذکر کر کے لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں یہ قصہ مشہور ہے، اسے مسعودی وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور السیاری نے اس قصہ کو ”اللقاب“ میں اپنی سند سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ شیخ مناظر یہی الادری ہیں۔

سماعی ”الانساب“ میں فرماتے ہیں: الادری ”آذرہ“ کی طرف نسبت ہے اور میرے گمان کے مطابق آذرہ ”اذنہ“ کی کوئی بستی ہے، ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن محمد بن اسحاق الادری کی نسبت اسی بستی کی طرف ہے۔ اس کے بعد سماعی نے امام الادری کا تعارف ذکر کیا اور خطیب کی مذکورہ کلام کے مثل کلام ذکر کی =

دوسرا مرحلہ: اگر وہ لوگ نہیں جانتے تھے تو تم نے کیسے جان لیا؟ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین سے تو شریعت کی کسی بات کا علم چھپالے اور تمہیں اس سے مطلع کر دے؟ چنانچہ بدعتی شخص نے فوراً اپنی بات سے رجوع کر لیا اور کہا: کہ وہ لوگ اس بات کو جانتے تھے۔ امام ادری نے اس پر تیسرے مرحلے کی بنیاد رکھتے ہوئے کہا:

= **دوسرا مبہم:** وہ شخص ہے جس نے شیخ الاذری سے مناظرہ کیا تھا، اس شخص کا نام احمد بن ابی داؤد ہے اس کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور نام و نسب احمد بن فرج بن حرز الایادی البصری البغدادی ہے، یہ شخص منصب قضاء پر فائز تھا، جمعی نظریات کا حامل تھا اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا دشمن تھا یہ خلق قرآن کی دعوت دیتا تھا اور عباسی خلفاء مامون، معتصم اور واثق باللہ کا مقرب اور مشیر خاص تھا۔ امام احمد بن حنبل پر کڑی آزمائش والے دن خلیفہ کو ان کے قتل پر اسکا تارہا اور اپنی زبان سے امام اہل السنۃ کو گمراہ اور گمراہ کن کہتا رہا۔ اس کے تفصیلی حالات وفیات الاعیان (۸۱/۱)، سیر اعلام النبلاء (۱۶۹/۱)، البدایۃ والنہایۃ (۳۱۹/۱۰) اور شذرات الذہب (۹۳/۲) میں ملاحظہ کیجئے۔

تیسرا مبہم: وہ خلیفہ ہے جس کی موجودگی میں یہ مناظرہ منعقد ہوا، یہ خلیفہ واثق باللہ ہے جس کا نام و نسب ہارون بن محمد بن ہارون الرشید ہے، کنیت ابو جعفر ہے، عباسی خلفاء میں سے ہے، بغداد میں پیدا ہوا اور اپنے والد کی وفات کے بعد تخت خلافت پر متمکن ہوا، اس نے خلق قرآن کے فتنے کے تعلق سے لوگوں کو بہت ستایا اور علماء کی ایک جماعت کو قید بھی کیا، اس قصہ کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی عمر کے آخر حصہ میں خلق قرآن کے موقف سے رجوع کر لیا تھا، حافظ ابن قدامۃ نے اپنی کتاب "التواہین" میں اس کی توبہ کا تذکرہ کیا ہے، یہ بات امام ابن الجوزی نے بھی "مناقب امام احمد" (ص: ۴۳۱) میں نقل فرمائی ہے، اور اسکی توبہ کا سبب یہی مناظرہ لکھا ہے، جو اس کی موجودگی میں منعقد ہوا (جس میں اس کا مقرب ابن ابی داؤد لا جواب ہو گیا تھا) چنانچہ اس نے لوگوں کو تنگ کرنا بھی چھوڑ دیا۔

چوتھا مبہم: وہ مسئلہ جو اس مناظرہ کا موضوع تھا، مناظرہ کا موضوع خلق قرآن کے عقیدہ کی بدعت تھا، یہ وہ بڑا فتنہ تھا جس کی وجہ سے بڑے بڑے ائمہ کڑے آزمائش دور سے گزرے، جن میں سر فہرست امام ربانی، صدیق ثانی احمد بن حنبل رحمہ اللہ تھے۔

اس سلسلہ میں شیخ عبدالقادر الراؤد کا لمعۃ الاعتقاد بران کی شرح کا مقدمہ بھی ملاحظہ کر لیا جائے۔

تیسرا مرحلہ: جب تم نے مان لیا کہ وہ اس بات کو جانتے تھے تو کیا ان کیلئے یہ ممکن ہوا کہ وہ اس بات کو بیان نہ کریں اور لوگوں کو اس کی طرف نہ بلائیں؟ بدعتی نے جواب دیا: ہاں۔ اس بات سے ماموسی اختیار کرنا اور اسے بیان نہ کرنا ان کیلئے ممکن ہوا۔ تو امام ادری نے (آخری ضرب لگاتے ہوئے) کہا: جو بات رسول اللہ اور آپ کے خلفائے راشدین کیلئے ممکن ہوگئی وہ تمہارے لیے کیوں ممکن نہیں ہوئی؟ (یعنی بقول تمہارے انہیں اس مسئلہ کا علم تھا مگر انہوں نے سکوت اختیار کر لیا، یہ سکوت تم کیسے نہیں اختیار کر لیتے) بدعتی لا جواب ہو گیا اور کیوں نہ ہوتا، اس کے سامنے راستہ قطعی طور پر مسدود ہو گیا تھا

خلیفہ نے امام ادری کی رائے کو درست قرار دیا اور اس بدعتی شخص کو تنگی اور حرج میں مبتلا رہنے کی بددعا دی کہ وہ علم کافی نہ ہو سکا جو نبی ﷺ اور خلفائے راشدین کو کافی تھا۔

بدعتی اور گمراہ انسان کا انجام یہی ہے کہ دلیل سے تہی دست ہونے کی وجہ سے لا جواب ہو جاتا ہے۔

ذکر بعض آیات الصفات

اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل چند آیات کا بیان

[۱۲] فَمَا جَاءَ مِنْ آيَاتِ الصِّفَاتِ قَوْلُ اللَّهِ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَيَقْنَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ﴾ (الرَّحْمَنُ: ۲۷)

ترجمہ: جن آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

☆ ﴿وَيَقْنَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ﴾ (الرَّحْمَنُ: ۲۷)

ترجمہ: (اور صرف تیرے رب کا چہرہ باقی رہ جائے گا۔)

..... شرح

مؤلف رحمہ اللہ کی بیان کردہ صفات باری تعالیٰ

مؤلف رحمہ اللہ نے درج ذیل صفات باری تعالیٰ ذکر کی ہیں، ہم بالترتیب ان پر روشنی ڈالتے ہیں۔

پہلی صفت: الوجه (چہرہ)

کتاب وسنت اور اجماع سلف صالحین سے اللہ تعالیٰ کیلئے صفیٰ الوجہ (چہرہ) ثابت ہے۔
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَيَقْبِ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (الرحمن: ۲۷)

ترجمہ: (اور صرف تیرے رب کا چہرہ جو عظمت و عزت والا ہے باقی رہ جائے گا)
رسول اللہ ﷺ نے سعد بن ابی وقاص سے کہا تھا:

[انک لن تنفق نفقة تبتغي بها وجه الله الا اجرت عليها] (متفق علیہ) (۱۴)

ترجمہ: [اللہ تعالیٰ کے ”الوجہ“ کی تلاش میں تو جو کچھ بھی خرچ کرے گا، تجھے اس کا اجر ملے گا]

اللہ تعالیٰ کیلئے صفیٰ الوجہ ثابت کرنے پر سلف صالحین کا اجماع ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کیلئے صفیٰ الوجہ کو بلا تحریف، بلا تعطیل، بلا تکلیف اور بلا تمثیل ثابت کرنا ضروری ہے، صفیٰ الوجہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا حقیقی چہرہ ہے جو اس ذات باری تعالیٰ کے لائق ہے۔

گروہ معطلہ اللہ تعالیٰ کی صفیٰ الوجہ کا معنی ثواب کرتے ہیں۔ ہم مقدمہ کے اندر مذکور قاعدہ نمبر ۴ کی روشنی میں گروہ معطلہ کا رد کرتے ہیں۔ قاعدہ نمبر چار صفحہ نمبر (پر ملاحظہ کیجئے)



☆ وقوله سبحانه وتعالى: ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ (المائدة: ۶۴)

ترجمہ: (بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں)

..... شرح

دوسری صفت: الیدان (دو ہاتھ)

کتاب وسنت اور اجماع سلف صالحین سے اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”الیدان“ یعنی دو ہاتھ ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ (المائدة: ۶۴)

ترجمہ: (بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں)

(۱۴) البخاری: کتاب الجنائز: باب رثاء النبی ﷺ سعد بن خولة (۱۲۹۵)

مسلم: کتاب الوصیة: باب الوصیة بالثلث (۱۲۲۸)

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

[بسمین اللہ ملائی لا یغیضها نفقة سحاء الليل والنهار..... بیدہ الاخری القبض

برفع ویخفف] (متفق علیہ) (۱۵)

ترجمہ: [اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے دن اور رات میں مسلسل خرچ کرنے کے باوجود اس میں کمی نہیں آتی..... اور اس کے دوسرے ہاتھ میں قبض کرنا ہے (یعنی رزق کو روکنا اور پھیلانا) وہ اونچا کرتا ہے اور نیچے جھکا تا ہے]

اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”الیدان“ ثابت کرنے پر سلف صالحین کا اجماع ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”الیدان“ کو بلا تحریف، بلا تعطیل، بلا تکلیف اور بلا تمثیل ثابت کرنا ضروری ہے، صفت ”الیدان“ سے مراد اللہ تعالیٰ کے دو حقیقی ہاتھ ہیں، جو اس ذات باری تعالیٰ کے لائق ہیں۔

گروہ معطلہ نے اس کا معنی نعمت اور قدرت کیا ہے، ہم ان کا رد قاعدہ نمبر ۴ میں مذکور تین وجوہ سے کرتے ہیں، اور ان کے رد کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ سیاق آیت صفت الیدان کی نعمت یا قدرت سے تفسیر کو قطعی طور پر مانع ہے (سیاق آیت سے اشارہ صیغہ تنثیہ کی طرف ہے)

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَمَّا خَلَفْتُ بَيْدِي﴾ (ص: ۷۵)

ترجمہ: (جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا) (یہاں بھی صیغہ تنثیہ مستعمل ہے)

(۱۵) مسلم: کتاب الزکوة: باب الحث علی النقة وتبشير المنفق بالخلف (۳۷، ۹۹۳) بخاری: کتاب

التوحيد: باب قوله الله تعالى: ﴿لَمَّا خَلَفْتُ بَيْدِي﴾ بخاری میں [يد الله ملائی لا یغیضها نفقة الخ] کے

الفاظ ہیں۔ لا یغیضها کا معنی ہے، ”لا ینقصها“، یعنی نہیں کمی کرتا۔ سحاء: کا معنی ہے، ہموں خرچ کرنے والا۔

فتح الباری (۳۹۵/۱۳)

فائدہ: ابن حجر عسقلانی فتح الباری (۳۹۵/۱۳) میں صحیح مسلم کے لفظ اور اس کی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے

فرماتے ہیں: کہ اس لفظ سے ان لوگوں کا خوب تعاقب ہو سکتا ہے جو ”الید“ کی تفسیر نعمت سے کرتے ہیں اور ان

لوگوں نے تو بہت دور کی تاویل کی ہے جو ”الید“ کی تفسیر خزانہ سے کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ خزانہ میں

صرف ہاتھ کرتا ہے اس لیے ”الید“ کا اطلاق خزانہ پر کیا گیا ہے۔

میں لکھا ہوں یہ عبارت حافظ ابن حجر کے مؤلف (تاویل کرنے والا فرقہ) پر رد کرنے پر دال ہے۔

صفت الیدان کا قرآن میں تین مختلف وجوہ

(مفرد، ثثنیہ اور جمع) سے ذکر اور ان میں تطبیق

(یہ صفت قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کیلئے تین طرح سے استعمال ہوئی ہے)

الاول : مفرد: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ (الملك: ۱)

ترجمہ: (بہت بابرکت ہے (وہ اللہ) جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے)

الثانی : ثثنیہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ﴾ (المائدہ: ۶۴)

ترجمہ: (بلکہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں)

الثالث : جمع: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِيْنَا أَنْعَامًا﴾ (یس: ۷۱)

ترجمہ: (کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے اپنے ہاتھوں بنائی چیزوں میں سے ان کیلئے چوپائے جانور (بھی) پیدا کر دیئے)

تطبیق : ان وجوہ میں تطبیق یہ ہے کہ ”مفرد“ (اللہ تعالیٰ کی طرف) اضافت کے ساتھ استعمال ہوا ہے، چنانچہ یہ تو اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہر ہاتھ کو شامل ہے، تو یہ ثثنیہ یعنی دو کے منافی نہ ہوا، جبکہ ”جمع“ کا صیغہ برائے تعظیم استعمال ہوا ہے، حقیقی عدد یعنی تین یا اس سے زائد کے بیان کیلئے نہیں، تو پھر یہ ثثنیہ یعنی دو کے منافی نہ رہا۔ دوسری بات یہ ہے کہ بہت سے علماء نے جمع کا کم از کم معنی دو مراد لیا ہے، تو جب یہاں جمع کے صیغہ کو اس کے کم سے کم معنی پر محمول کرینگے تو اصلاً صیغہ جمع اور صیغہ ثثنیہ کے درمیان کوئی تعارض قائم ہی نہیں ہوگا۔



☆ وقوله تعالى اخبارا عن عيسى عليه السلام انه قال :

﴿تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ﴾ (المائدہ: ۱۱۶)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے کہا:

﴿تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ﴾ (المائدہ: ۱۱۶)

ترجمہ: (تو تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتا ہے اور میں تیرے نفس میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا)

..... شرح
.....

تیسری صفت : النفس : (نفس)

کتاب وسنت اور اجماع سلف سے اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”نفس“ ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (الانعام: ۵۴)

ترجمہ: (تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے نفس پر مقرر کر لیا ہے)

نیز اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کا قول ذکر فرمایا:

﴿تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ﴾ (المائدہ: ۱۱۶)

ترجمہ: (تو تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتا ہے اور میں تیرے نفس میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا)

نبی ﷺ کا فرمان ہے: [سبحان الله وبحمده عدد خلقه ورضا نفسه وزنة عرشه ومداد كلماته] (رواہ مسلم) (۱۶)

ترجمہ: [میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد بیان کرتا ہوں اس کی خلق کی تعداد، اور اس کے نفس کی رضا، اور اسکے عرش کے وزن اور اس کے کلمات کی سیاہی کے برابر]

اللہ تعالیٰ کیلئے صفت النفس ثابت کرنے پر سلف صالحین کا اجماع ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کیلئے صفت النفس کو بلا تخریف، بلا تعطیل، بلا تکلیف اور بلا تمثیل ثابت کرنا ضروری ہے، صفت النفس سے مراد اللہ تعالیٰ کا حقیقی نفس ہے، جو اس ذات باری تعالیٰ کے لائق ہے۔



عقائد سلف صالحين

(٤٣٣٩) مسلم: كتاب الايمان: باب معرفة طريق الرؤية (١٨٣) (٣٠٢)

☆ ”الاكله“ ہمارے بچ کے ساتھ اس کام میں آپ سرتا رہے۔

☆ وقوله تعالى: ﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ (المائدة: ٥٤)

ترجمہ: (اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں)

..... شرح
.....

چھٹی صفت : المحبة (محبت کرنا)

اللہ تعالیٰ کی صفت ”المحبة“ کتاب وسنت اور اجماع سلف سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾

ترجمہ: (عنقریب اللہ تعالیٰ ایسی قوم لے آئے گا جن سے وہ محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں)

(المائدة: ٥٤)

رسول اللہ ﷺ نے جب خیر میں فرمایا تھا: [لأعطين الراية غدار جلا يحب الله

ورسوله ويحبه الله ورسوله] (متفق عليه) (١٩)

ترجمہ: [کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جسے اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے اور جس سے اللہ اور

اس کے رسول کو محبت ہے۔]

اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”المحبة“ ثابت کرنے پر سلف صالحین کا اجماع ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کیلئے

صفت ”المحبة“ کو بلا تحریف، بلا تعطیل، بلا تکلیف اور بلا تمثیل ثابت کرنا ضروری ہے، صفت

”المحبة“ سے مراد اللہ تعالیٰ کا حقیقی محبت کرنا ہے، جو اس کی ذات باری تعالیٰ کے لائق ہے۔

معطلہ اس کا معنی ثواب دینا کرتے ہیں، ہم قاعدہ نمبر ۴ میں مذکور وجوہات کی روشنی میں ان کا رد

کرتے ہیں۔



(۱۹) البخاری: کتاب المغازی: باب غزوة خيبر (۳۲۱۰)

مسلم: کتاب فضل الصحابة: باب من فضائل علي (۲۴۰۶)

☆ حدیث میں، الرجل سے مراد علی بن ابی طالب ہیں۔

☆ وقوله تعالى في الكفار: ﴿وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ (الفتح: ٦)

کافروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ (الفتح: ٦)

ترجمہ: (اور اللہ ان پر ناراض ہوا)

..... شرح
.....

ساتویں صفت : الغضب (غصہ کرنا)

اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”الغضب“ کتاب وسنت اور اجماع سلف سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مؤمن کو عداوت قتل کرنا والے کے متعلق فرمایا:

﴿وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ﴾ (النساء: ٩٣)

ترجمہ: (اللہ اس پر ناراض ہوا اور اس پر لعنت کی)

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: [ان الله كتب كتابا عنده فوق العرش ان رحمتي تغلب

غضبي] (متفق عليه) (۲۰)

ترجمہ: [اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب لکھی جو عرش پر اس کے پاس ہے (اس میں درج ہے) کہ میری

رحمت میرے غصے پر غالب ہے]

اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”الغضب“ ثابت کرنے پر سلف صالحین کا اجماع ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کیلئے

صفت ”الغضب“ کو بلا تحریف، بلا تعطیل، بلا تکلیف اور بلا تمثیل ثابت کرنا ضروری ہے، صفت

”الغضب“ سے مراد اللہ تعالیٰ کا حقیقی غصہ کرنا ہے جو اس کی ذات باری تعالیٰ کے لائق ہے۔

معطلہ نے صفت ”الغضب“ کا معنی انتقام لینا کیا ہے، ہم قاعدہ نمبر ۴ میں مذکور تین وجوہ کی روشنی

میں ان کا رد کرتے ہیں اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غضب اور انتقام میں فرق بیان کیا ہے، چنانچہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(۲۰) البخاری: کتاب التوحید: باب قول الله تعالى: ﴿يَلِهُو قرآن مجید. فی لوح محفوظ﴾ (۷۵۵۳)

مسلم: کتاب التوحید: باب سعة رحمة الله تعالى وانها سبقت غضبه (۲۷۵۱)

معطلہ نے صفت السخط کا معنی انتقام لینا کیا ہے۔ ہم قاعدہ نمبر ۴ میں مذکورہ وجوہ کی روشنی میں ان کا رد کرتے ہیں۔



☆ وقوله تعالى: ﴿كَرِهَ اللَّهُ أَنْبِعَا ثَهُمْ﴾ (التوبة: ۴۶)
ترجمہ: (اللہ نے ان کا اٹھنا ناپسند کیا)

..... شرح
نویں صفت: الكراهة (ناپسند کرنا)

اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”الکراهة“ یعنی ناپسند کرنا (جو ناپسندیدگی کا مستحق ہو) کتاب وسنت اور اجماع سلف سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿كَرِهَ اللَّهُ أَنْبِعَا ثَهُمْ﴾ (التوبة: ۴۶)
ترجمہ: (اللہ نے ان کا اٹھنا ناپسند کیا)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [ان الله كره لكم قيل وقال وكثرة السؤال وإضاعة المال] (رواہ البخاری) (۲۲)

ترجمہ: [اللہ نے تمہارے لیے قیل وقال، کثرت سوال اور مال کو ضائع کرنا ناپسند کیا ہے]
اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”الکراهة“ ثابت کرنے پر سلف صالحین کا اجماع ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”الکراهة“ کا بلا تحریف، بلا تعطیل، بلا تکلیف اور بلا تمثیل ثابت کرنا ضروری ہے، صفت ”الکراهة“ سے مراد اللہ تعالیٰ کا حقیقی ناپسند کرنا ہے، جو اس ذات باری تعالیٰ کے لائق ہے۔

معطلہ نے صفت ”الکراهة“ کا معنی ”ابعد“ (دور کرنا) کیا ہے۔ ہم قاعدہ نمبر ۴ میں مذکورہ وجوہ کی روشنی میں ان کا رد کرتے ہیں۔

(۲۲) البخاری: کتاب الادب: باب عقوق الوالدین من الکبائر (۵۹۷۵)

مسلم: کتاب الاقضية: باب النهی عن کثرة المسائل من غیر حاجة (۵۹۳) (یہ الفاظ مسلم کے ہیں)

﴿فَلَمَّا آسَفُونَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ (الزخرف: ۵۵)

ترجمہ: (پھر جب انہوں نے ہمیں غصہ دلایا تو ہم نے ان سے انتقام لیا)
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انتقام کو غصہ کا نتیجہ قرار دیا ہے جو کہ اس بات کی دلیل ہے کہ انتقام غصہ کا غیر ہے۔ (لہذا معطلہ کا غضب کی تفسیر انتقام لینا سے کرنا باطل ہوا)



☆ وقوله تعالى: ﴿اتَّبِعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهُ﴾ (محمد: ۲۸)

ترجمہ: (وہ اس طریقہ پر چلے جو اللہ کو ناراض کرنے والا ہے)

..... شرح
آٹھویں صفت: السخط (ناراض ہونا)

اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”السخط“ کتاب وسنت اور اجماع سلف سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهُ﴾ (محمد: ۲۷)
ترجمہ: (وہ اس طریقہ پر چلے جو اللہ کو ناراض کرنے والا ہے)

نبی ﷺ یہ دعا کرتے تھے: [اللهم انى اعوذ بك برضاك من سخطك
وبمعافا تك من عقوبتك] (رواہ مسلم) (۲۱)

ترجمہ: [اے اللہ میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ چاہتا ہوں، اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ چاہتا ہوں]

اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”السخط“ ثابت کرنے پر سلف صالحین کا اجماع ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”السخط“ کو بلا تحریف، بلا تعطیل، بلا تکلیف اور بلا تمثیل ثابت کرنا ضروری ہے، صفت ”السخط“ سے مراد اللہ تعالیٰ کا حقیقی ناراض ہونا ہے، جو اس ذات باری تعالیٰ کے لائق ہے۔

(۲۱) مسلم: کتاب الصلاة: باب ما يقال في الركوع والسجود (۵۱۲۲)

ذکر بعض احادیث الصفات

[۱۳] ومن السنة قول النبی ﷺ: [ينزل ربنا تبارك وتعالى كل ليلة الى سماء الدنيا]

اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل چند احادیث کا بیان

جن احادیث میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ ہے اس میں سے چند یہ ہیں:

☆ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [ہمارا پروردگار ہر رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے]

..... شرح

دسویں صفت: النزول (اترنا)

اللہ تعالیٰ کا آسمان دنیا کی طرف نزول فرمانا سنت اور اجماع سلف سے ثابت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [ينزل ربنا الى السماء الدنيا حين يبقى ثلث الليل الاخر فيقول من يدعوني فاستجب له...] (متفق عليه) (۲۳)

ترجمہ: [جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو ہمارا پروردگار آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، اور آواز دیتا ہے: کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے، پس میں اسے قبول کروں]

اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”النزول“ ثابت کرنے پر سلف صالحین کا اجماع ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”النزول“ کو بلا تحریف، بلا تعطیل، بلا تکلیف اور بلا تمثیل ثابت کرنا ضروری ہے، صفت ”النزول“ سے مراد اللہ تعالیٰ کا حقیقی نزول فرمانا ہے، جو اس ذات باری تعالیٰ کے لائق ہے۔ معطلہ کہتے ہیں: اس سے اللہ تعالیٰ کے امر یا رحمت یا کسی فرشتے کا نزول مراد ہے۔

(۲۳) البخاری: کتاب التہجد: باب الدعاء والصلوة فی آخر الليل (۱۱۵)

مسلم: کتاب صلاة المسافرين: باب الترغيب في الدعاء والذكر في آخر الليل والاجابة فيه (۴۵۸) (۱۶۸) اس حدیث کی شرح اور مزید وضاحت کیلئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب ”شرح حدیث النزول“ کی طرف رجوع کریں۔

ہم قاعدہ نمبر (۴) میں مذکور تین وجوہ کی روشنی میں ان کا رد کرتے ہیں اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نزول سے مراد اس کے امر یا رحمت وغیرہ کا نزول ہے، تو امر یا رحمت کا یہ کہنا ممکن ہی نہیں کہ [من يدعوني فاستجب له] ”کون ہے جو مجھے پکارے پس میں اس کی پکار قبول کروں“ (یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی فرما سکتا ہے)

☆ وقوله ﷺ [يعجب ربك من الشباب ليست له صبوة]

تمہارا رب پروردگار اس نوجوان پر تعجب کرتا ہے جس کے اندر میلانِ نفس نہ ہو

..... شرح

گیارہویں صفت: العجب (تعجب کرنا)

اللہ تعالیٰ کی صفت ”العجب“ کتاب و سنت اور اجماع سلف سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿لُعِجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ﴾ (الصافات: ۱۲) (ایک قرأت میں عجبت☆، رفع کے ساتھ ہے، اس صورت میں معنی ہوگا) ترجمہ: (بلکہ میں تعجب کر رہا ہوں اور یہ مخزہ پن کر رہے ہیں)

نبی ﷺ کا فرمان ہے: [يعجب ربك من الشباب ليست له صبوة] (۲۴)

ترجمہ: [تمہارا رب پروردگار اس نوجوان پر تعجب کرتا ہے جس کے اندر میلانِ نفس نہ ہو]

☆ شیخ رحمہ اللہ، جزہ، کسائی اور خلف کی قرأت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، انکی قرأت میں یہ لفظ بضم التاء ہے۔ السوطی القراءات العشر لابن مهران الاصحانی (ص: ۳۷۵) اور السبعة فی القراءات لابن مجاہد (ص: ۵۴۷) (۲۴) یہ حدیث ضعیف ہے، اسے امام احمد نے اپنی مسند (۱۵۱/۳) میں اور ابن ابی عاصم نے السنۃ (۵۷۱) میں اور ابو یعلیٰ نے اپنی مسند (۱۴۷۹) میں اور طبرانی نے الکبیر (۳۰۹/۱۷) میں اور القضا ئی نے مسند شہاب (۵۷۶) میں اور تمام الرازی نے الفوائد (۱۲۸۷) میں اور بیہقی نے الاسماء والصفات (ص: ۶۰۰) میں ذکر کیا ہے۔

حافظ السخاوی نے المقاصد الحسنة (ص: ۱۲۳) ابن حجر العسقلانی نے اس حدیث کی تضعیف بوجہ عبد اللہ بن لہیعہ نقل فرمائی ہے۔ نیز شیخ البانی نے الضعيفة میں (۲۴۲۶) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ امام سخاوی فرماتے ہیں: کہ ہم نے جزء ابی حاتم الحضری میں بطریق اعمش، ابیہیم کا یہ قول روایت کیا ہے: لوگوں کو یہ بات متعجب کرتی تھی کہ نوجوان میں شہوت کی طرف میلان نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”العجب“ ثابت کرنے پر سلف صالحین کا اجماع ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”العجب“ کو بلا تخریف، بلا تعطیل، بلا تکلیف اور بلا تمثیل ثابت کرنا ضروری ہے، صفت ”العجب“ سے مراد اللہ تعالیٰ کا حقیقی تعجب کرنا ہے، جو اس ذات باری تعالیٰ کے لائق ہے۔

معطلہ اس کا معنی ”المجازاة“ (بدلہ دینا) کرتے ہیں۔ ہم قاعدہ نمبر (۴) میں مذکور وجوہ کی روشنی میں ان کا رد کرتے ہیں۔

تعجب کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) تعجب اس لیے ہو کہ متعجب (تعجب کرنے والا) پر اس چیز کے اسباب مخفی ہیں، اس لیے وہ اسے انوکھی اور خلاف معمول چیز سمجھ کر حیرت و استعجاب میں پڑ گیا ہے۔ تعجب کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کیلئے محال و ناممکن ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی بات مخفی نہیں ہے۔

(۲) تعجب اس لیے ہو کہ کوئی چیز اپنی نظر یا اپنی اصلی حالت و کیفیت کے برخلاف ہو، اور متعجب کو اس بات کا علم بھی ہو۔ تعجب کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہے۔



☆ وقوله ﷺ: [يضحك الله الى رجلين قتل احدهما الاخر ثم

يدخلان الجنة]

ترجمہ: [اللہ تعالیٰ ان دو آدمیوں پر ہنستا ہے جن میں سے ایک، دوسرے کو قتل کرتا ہے، پھر دونوں ہی جنت میں داخل ہو جاتے ہیں]

..... شرح

باب ہویں صفت : الضحک (ہنسا)

= اللہ تعالیٰ کی صفت العجب کے اثبات کیلئے صحیح بخاری کی حدیث ضیف (۲۸۸۹) اس حدیث سے مستغنی کر رہی ہے، حدیث ضیف سے مراد وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ کے ایک مہمان کا ذکر ہے جسے ایک صحابی اپنے گھر لے گیا تھا جس میں یہ الفاظ ہیں: [لقد عجب الله... الخ] یعنی اللہ تعالیٰ فلاں مرد اور فلاں خاتون پر متعجب ہوا..... یا مسکرایا..... چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾ (احشر: ۹) (یہ لوگ اپنے آپ پر دھڑکیں دیتے ہیں چاہے خود کوئی ہی خستہ حالت میں ہوں)

اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”الضحک“ سنت اور اجماع سلف سے ثابت ہے۔
رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

(يضحك الله الى رجلين قتل احدهما الاخر ثم يدخلان الجنة، يقتل هذا في

سبل الله فيقتل ثم يتوب الله على القاتل فيستشهد) (متفق عليه) (۲۵)

ترجمہ: [اللہ تعالیٰ ان دو آدمیوں پر ہنستا ہے جن میں سے ایک، دوسرے کو قتل کرتا ہے پھر دونوں ہی جنت میں داخل ہو جاتے ہیں، (وہ اس طرح کہ) ایک اللہ کی راہ میں قتل کرتا ہے اور شہید ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ قاتل کو ہدایت دے دیتا ہے اور وہ بھی اللہ کی راہ میں شہید ہو جاتا ہے] (۲۵)

اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”الضحک“ ثابت کرنے پر سلف صالحین کا اجماع ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”الضحک“ کو بلا تخریف، بلا تعطیل، بلا تکلیف اور بلا تمثیل ثابت کرنا ضروری ہے، صفت ”الضحک“ سے مراد اللہ تعالیٰ کا حقیقی ہنسا ہے، جو اس ذات باری تعالیٰ کے لائق ہے۔

معطلہ نے صفت ”الضحک“ کا معنی ”ثواب دینا“ کیا ہے۔ ہم قاعدہ نمبر (۴) میں مذکور وجوہ کی روشنی میں ان کا رد کرتے ہیں۔



(۱۴) فهذا وما أشبهه مما صح سندُه وعدلت رواته، تؤمن به ولا نرده، ولا يحده، ولا تتأوله بتأويل يخالف ظاهره، ولا نشبهه بصفات المخلوقين، ولا بسمات المحدثين، ونعلم أن الله سبحانه وتعالى لا شبه له ولا نظير:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشورى: ۱۱)

وكل ما تخيل في الذهن أو خطر باللبال، فإن الله تعالى بخلافه.

(۲۵) بخاری: کتاب الجہاد: باب الکافر یقتل المسلم ثم یسلم فیسد بعد ویقتل (۲۸۲۲)

مسلم: کتاب الإماماء: باب بیان الرجلین یقتل أحدهما الآخر یدخلان الجنة (۱۸۹۰) (۱۲۸)

ترجمہ: اور اسی طرح (اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل) دیگر احادیث جو صحیح سند اور ثقہ راویوں سے مروی ہیں ان پر ہمارا ایمان ہے، ہم ان کی تردید یا انکار یا خلاف ظاہر تاویل نہیں کرتے، اور نہ ہی اسے مخلوقات کی صفات و سمات کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ اور ہمارا یہ یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مشابہ و مثل کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ (الشوریٰ: ۱۱)

ترجمہ: (اس جیسی کوئی چیز نہیں بے شک وہ سنے، دیکھنے والا ہے)

لہذا اللہ تعالیٰ کے متعلق جو بھی تصور ذہن میں ابھرے یا دل میں کھلے اللہ تعالیٰ اس سے پاک و منزہ ہے

[۱۵] ومن ذلک قولہ تعالیٰ: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (طہ: ۵)

ترجمہ: آیات صفات میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے:

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (طہ: ۵)

ترجمہ: (وہ رحمن ہے، عرش پر مستوی ہے۔)

..... شرح

تیسرے صفت: استواء علی العرش (عرش پر مستوی ہونا)

اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا کتاب و سنت اور اجماع سلف سے ثابت ہے:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (طہ: ۵)

ترجمہ: (وہ رحمن ہے، عرش پر مستوی ہے۔)

اللہ تعالیٰ نے اپنے عرش پر مستوی ہونے کو قرآن مجید میں سات مقامات پر ذکر فرمایا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [ان الله لما قضی الخلق كتب عنده فوق العرش ان

رحمتی سبقت غضبی] (رواہ البخاری) (۲۶)

(۲۶) اس کی تخریج حاشیہ نمبر (۲۰) میں گزر چکی ہے۔

ترجمہ: [اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کی تقدیر لکھی تو اپنے پاس عرش پر یہ بات لکھ لی کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے]

یہ فرمایا: [ان بعد ما بین السماء الی السماء اما واحدة أو اثنتان أو ثلاث وسبعون سنة الی أن قال فی العرش بین أسفله واعلاه مثل ما بین السماء الی السماء ثم اللہ تعالیٰ فوق ذلک] (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ) (۲۷)

ترجمہ: [ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک اکسہتر (۷۱) یا بہتر (۷۲) یا تہتر (۷۳) سال کی مسافت جتنی دوری ہے، اور عرش کے نچلے حصے اور اوپر والے حصے کے درمیان اتنی دوری ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک کا فاصلہ، پھر اس (عرش) کے اوپر اللہ تعالیٰ ہے] (حدیث میں ایک ملف ہے، جس کا جواب امام ابن القیم رحمہ اللہ نے تہذیب سنن بی داؤد میں دیدیا ہے)

(۲۷) یہ حدیث ضعیف ہے۔ احمد (۲۰۶/۱، ۲۰۷، ۲۰۸) ابوداؤد (۴۷۲۳) ترمذی (۳۳۲۰ وحسن) ابن ماجہ (۱۹۳)

محدک للحاکم (۵۰۱، ۵۰۰/۲) الرذی الجہمیہ للدارمی (۲۳۰) النقص للمریسی للدارمی (ص: ۹۱، ۹۰)

السنن لابن ابی عاصم (۵۷۷) التوحید لابن خزیمہ (۱۳۳) الشریعة للآجری (ص: ۲۹۰، ۲۹۳) اصول اعتقاد اہل

السنن، لا کالی (۶۵۱) العرش لمحمد بن عثمان بن ابی شیبہ (۱۰۹) الاسماء والصفات للبیہقی (ص: ۵۰۳)

الصغفاء للعقيلي (۲۸۴/۲) العلل المتناهیة (۲۵/۲) الوابیات لابن الجوزی (۱۰۹/۱) اخبار اصحابنا لابی نعیم

(۲/۲) العظمی لابی الشیخ (۲۰۳) العلول لابن قدامة (۲۹) العلول للعلی الغفار للذهبی (ص: ۵۰، ۴۹) التہذیب لابن عبد

البر (۱۰۴/۷) المسئل واخل لابن حزم (۱۰۱، ۱۰۰/۲) تہذیب الکمال للزیری (۷/۲)۔

ان سب انہ نے اس حدیث کو بسند سماک بن حرب عن عبد اللہ بن عیمرہ عن الاحنف بن قیس عن العباس بن المطلب

روایت کیا ہے۔ یہ سند مندرجہ ذیل علل کی وجہ سے ضعیف ہے۔

پہلی علت: یہ ہے کہ سماک متفرد ہے، اور سماک اگر متفرد ہو تو قابل جہت نہیں ہے، امام نسائی فرماتے ہیں: یہ راوی

تلقین قبول کر لیا کرتا تھا، اگر یہ اصل حدیث میں منفرد ہو تو جہت نہیں ہے کیونکہ یہ تلقین کو قبول کر لیا کرتا تھا۔ التہذیب

(۲۳۴/۴) جرح وتعدیل کے امام کی طرف سے یہ ایک واضح جرح ہے اور حاملین عرش فرشتوں کی صفت کے

معلق اس حدیث میں سماک متفرد ہے۔

اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”استواء علی العرش“ ثابت کرنے پر سلف صالحین کا اجماع ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”استواء علی العرش“ کو بلا تخریف، بلا تعطیل، بلا تکلیف اور بلا تمثیل ثابت کرنا ضروری ہے، صفت ”استواء علی العرش“ سے مراد اللہ تعالیٰ کا حقیقی استواء (یعنی علو واستقرار) ہے، جو اس ذات باری تعالیٰ کے لائق ہے۔

معطلہ نے صفت ”استواء علی العرش“ کی تفسیر استیلاء (غلبہ پانا) کی ہے۔ ہم قاعدہ نمبر ۴ میں مذکور تین وجوہ کی روشنی میں ان کا رد کرتے ہیں، چوتھی وجہ یہ ہے کہ لغت عربیہ میں استواء بمعنی استیلاء کہیں مذکور نہیں، اور پانچویں وجہ یہ ہے کہ اگر استواء کا معنی استیلاء مان لیں تو بہت سی باطل چیزیں لازم آئیں گی، مثال کے طور پر یہ کہ پہلے عرش اللہ کا ملک نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے بعد میں اس پر غلبہ پایا۔

= دوسری علت: عبد اللہ بن عسیرہ کی جہالت ہے۔ حافظ الذہبی نے ”العلو“ میں اس کی اس حدیث کو اس کی جہالت کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے، اور المیزان میں فرماتے ہیں: ”فی جہالت“ امام بخاری فرماتے ہیں: سماک کا اعتمار بن قیس سے سماع ثابت نہیں (تاریخ الکبیر)

تیسری علت: متن حدیث کا منکر ہونا ہے۔ ہمارے محترم بھائی عبد اللہ بن یوسف، ابن العطار کی کتاب ”فتاویٰ جو ابھا“ پر اپنی تعلیق (ص: ۷۲) میں فرماتے ہیں: اس حدیث کے متن میں دو طرح کی نکارت ہے (۱) حدیث میں ملائکہ کو سائنڈ سے تشبیہ دی گئی ہے، کیونکہ ”الاولیٰ“ وعل کی جمع ہے اور وعل جنگلی سانڈ کو کہتے ہیں، الاولیٰ کا لفظ اگرچہ اشرف الناس (معزز لوگ) کیلئے بطور استعارہ استعمال ہوتا ہے، لیکن یہاں پر اپنے اصل معنی میں استعمال ہوا ہے اس کا قرینہ حدیث میں اولیٰ کے ظلف (گھر) کا ذکر ہے، جو کہ حیوانات کے ساتھ خاص ہے۔

(۲) اکثر کتب اصول میں الاولیٰ اور الکرکب مؤنث مذکور ہوا ہے، جبکہ فرشتوں کے حق میں مؤنث ہونا منکر بات ہے، اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر فرشتوں کے مؤنث ہونے کے ان کے عقیدے کا رد فرمایا ہے، پھر اہل علم نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، چنانچہ ابن عدی ”الکامل“ میں تنگی بن العلاء کے ترجمہ میں فرماتے ہیں: یہ حدیث غیر محفوظ ہے، ابن العربی شرح ترمذی میں اس حدیث کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ باتیں اہل کتاب سے ماخوذ ہیں ان کا کوئی اصل صحیح نہیں ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے تخریج السنۃ لابن ابی عاصم (۵۷۷) اور شیخ الراؤط نے الطحاویۃ اپنی تعلیق (۳۶۵/۲) میں اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

عرش کی لغوی اور شرعی تعریف

لغت عرب میں بادشاہ کیلئے مخصوص تخت کو عرش کہا جاتا ہے۔ جبکہ شریعت میں عرش سے مراد وہ عظیم عرش ہے جس پر اللہ تعالیٰ مستوی ہے اور یہ عرش تمام مخلوقات کے اوپر اور تمام مخلوقات سے بڑا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس عرش کی تین صفات: عظیم (بہت بڑا)، کریم (عزت والا) اور مجید (بزرگی والا) بیان فرمائی ہیں۔

الکرسی: عرش کے علاوہ ہے کیونکہ عرش پر تو اللہ مستوی ہے جبکہ کرسی اللہ تعالیٰ کے قدموں کی جگہ ہے، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

”الکرسی موضع اللدمین والعرش لا یقدر احد قد رھ“ (رواہ الحاکم وقال صحیح علی شرط العینین ولم یخرجاہ) (۲۸)

ترجمہ: (کرسی اللہ تعالیٰ کے دو قدموں کی جگہ ہے، اور عرش کا تو کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا)



باقی جو شیخ العثیمین رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ ابن القیم نے ”تہذیب السنن“ میں اس حدیث کو قوی کہا ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابن القیم رحمہ اللہ علت، محض الولید بن ابی داؤد کے تفر کو سمجھتے ہیں اور اس کے تفر سے جو ضعف پیدا ہوا ہے وہ ابراہیم بن طہمان کے سماک سے روایت کرنے کی وجہ سے دور ہو گیا ہے۔

جبکہ حق یہ ہے کہ اشکال اور علت صرف سماک سے روایت کرنے والے راوی میں نہیں ہے کیونکہ سماک سے تو الولید ابن ابی ثور کے علاوہ دیگر نے بھی روایت کیا ہے، بلکہ اشکال اور علت خود سماک اور اسکے اوپر کے راویوں میں ہے۔ پھر ابن القیم نے ایک اور علت کی طرف اشارہ فرمایا: اور وہ علت یہ ہے کہ یہ حدیث جامع ترمذی کی ایک اور حدیث جو کہ ابو ہریرہ سے مروی ہے، کے مخالف ہے، لیکن پھر خود ہی اس علت کا رد فرماتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں: امام ترمذی نے حدیث ابی ہریرہ کو ضعیف کہا ہے، دیکھیے تہذیب السنن (۹۳، ۹۴/۷)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کی صفت فوقیت اور استواء علی العرش کتاب و سنت کے دیگر بہت سے ادلہ سے ثابت ہے (واللہ اعلم)

(۲۸) یہ موقوف روایت ہے اور صحیح ہے۔ کتاب العرش لمحمد بن عثمان بن ابی شیبہ (۶۱) السنۃ لعبد اللہ بن احمد (۴۰۷)

☆ وقوله تعالى: ﴿ءَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ﴾ (الملک: ۱۶)

ترجمہ: (کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [ربنا اللہ الذی فی السماء تقدس اسمک]

ترجمہ: [ہمارا رب وہ ہے جو آسمان میں ہے، اے اللہ تیرا نام پاک ہے]

آپ ﷺ نے ایک لونڈی سے پوچھا: [اللہ کہا ہے؟] اس نے جواب دیا: آسمان میں، آپ ﷺ نے اس کے مالک سے کہا: اسے آزاد کر دو یہ مومنہ ہے [اسے مالک اور مسلم وغیرہ ائمہ نے روایت کیا ہے]

= طبرانی کبیر (۱۲۲۰۴) کتاب الصفات للدارقطنی (۳۶، ۳۷) مستدرک حاکم (۲۸۲/۲) ان سب ائمہ نے اس اثر کو سفیان بن عمار الدہلی عن سعید بن جبیر عن ابن عباس موقوفاً روایت کیا۔ اور اسکی سند حسن ہے۔ عمار الدہلی ابو معاویہ لیلی صدوق ہے، امام بخاری کے علاوہ دیگر اصحاب صحاح ستہ نے اس کی روایت ذکر کی ہے۔ الترمذی (ص: ۴۰۸) البتہ امام حاکم فرماتے ہیں ”صحیح علی شرط الثمینی“ اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ امام شمس المصباح (۳۲۳/۶) میں فرماتے ہیں ”رجالہ رجال الصحیح“۔ یہ اثر مرفوعاً بھی مروی ہے، لیکن مرفوعاً صحیح نہیں، دیکھیے، التھذیب (۳۱۳/۴) تفسیر ابن کثیر (۳۰۹/۱) العلل لابن الجوزی، شرح الطحاوی لابن ابی العز (۳۶۹/۲) المیزان (۱۶۵/۲)

اس باب میں ابو موسیٰ اشعری سے بھی ایک قول منقول ہے، جس کے الفاظ ہیں: ”الکرسی موضع القدمین وله اطيست كاطيسط رجل“ ترجمہ (کرسی اللہ تعالیٰ کے دو قدموں کی جگہ ہے اور اس کے چڑچڑاہٹ ہے پاؤں کی چڑچڑاہٹ کی طرح۔)

ابو موسیٰ اشعری کے اس اثر کو ابن ابی شیبہ نے العرش (۶۰) میں، عبد اللہ بن احمد نے السنۃ میں، ابن جریر نے اپنی تفسیر (۷/۳) میں امام بیہقی نے الاسماء وصفات (۵۱۰) میں ابوشیخ نے العظمت (۴۲/۲) اور الذہبی نے العلو (۱۲۴) میں ذکر فرمایا ہے۔ اس اثر کی سند صحیح ہے، مختصر العلو للالبانی۔

ابن عباس کے مذکورہ اثر پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا کلام ”الرسالۃ العرشیہ“ اور شیخ العثیمین کا کلام تفسیر آیۃ الکرسی میں ملاحظہ فرمائیے۔

[۱۶] وقال النبی ﷺ لحصین: [کم الها تعبد؟] قال: سبعة: ستة في

الارض، وواحد في السماء. قال: [من لرغبتك ورهبتك؟] قال: الذي

في السماء. قال: [فاترك الستة واعبد الذي في السماء، وانا أعلمك

مؤمنين] فأسلم، وعلمه النبی ﷺ أن يقول: اللهم ألهمني رشدی، وقنی

شر نفسي]

ترجمہ: [نبی ﷺ نے حصین سے پوچھا: تم کتنے معبودوں کی عبادت کرتے ہو؟] اس نے

جواب دیا: سات، چھ زمین میں ہیں اور ایک آسمان میں ہے۔ [آپ ﷺ نے پوچھا: خوف

اور ہوا سے کس کی عبادت کرتے ہو؟] اس نے جواب دیا: جو آسمان میں ہے۔ تو آپ ﷺ نے

اسے پھر زمین والے چھ چھوڑ دو اور صرف اس کی عبادت کرو جو آسمان میں ہے، اور میں تمہیں

دوامیں بتاتا ہوں انہیں پڑھا کرو، چنانچہ حصین نے اسلام قبول کر لیا اور آپ ﷺ نے

اسے یہ دعا سکھائی ”اللهم ألهمني رشدی وقنی شر نفسي“ اے اللہ مجھے بھلائی کی راہ

دکھا، اور مجھے میرے نفس کے شر سے محفوظ رکھ۔]

[۱۷] وفيما نقل من علامات النبی ﷺ وأصحابه في الكتب المتقدمة:

”اللهم يسجدون بالارض ويزعمون أن اللهم في السماء“

ترجمہ: نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کے بارے میں سابقہ کتب میں جو علامات

منقول ہیں ان میں یہ بات بھی ہے: ”وہ سجدہ تو زمین پر کریں گے لیکن ان کا زعم یہ ہوگا کہ ان کا

ہوا آسمان میں ہے“

[۱۸] وروی أبو داؤد في سننه أن النبی ﷺ قال: [ان ما بين سماء الى

سماء مسيرة كذا كذا.....] وذكر الخبر الى قوله: [وفوق ذ لك العرش،

اللہ سبحانہ ففوق ذ لك]

ترجمہ: امام ابو داؤد اپنی کتب ”السنن“ میں یہ حدیث لائے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک اتنا فاصلہ ہے (حدیث پیچھے ذکر ہوئی) اور آخر میں فرمایا: [اور آسمانوں کے اوپر عرش ہے اور اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے]

[۱۹] فہذا و ما أشبهہ مما أجمع السلف رحمہم اللہ علی نقلہ و قبولہ، ولم يتعروا لردہ، ولا تأويلہ ولا تشبیہہ ولا تمثیلہ.

ترجمہ: یہ اور اس قسم کی دیگر صفات کی نقل و روایت اور انکی قبولیت پر سلفِ صالحین کا اجماع ہے، اور انہوں نے ان میں سے کسی صفت کی تردید، تاویل، تشبیہ اور تمثیل کی کوشش نہیں کی۔

..... شرح

چودھویں صفت: کتاب و سنت کی مذکورہ نصوص میں جس صفت کا ذکر ہوا وہ صفت ”العلو“ (تمام مخلوقات سے بلند ہونا) ہے۔

اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”العلو“ کتاب و سنت اور اجماع سلف سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ (البقرہ: ۲۵۵)

ترجمہ: (اور وہ بہت بلند اور بہت عظیم ہے)

رسول اللہ ﷺ نماز میں سجدے کی حالت میں کہتے تھے:

[سبحان ربی الاعلیٰ] (رواہ مسلم) (۲۹) ترجمہ: [پاک ہے میرا رب جو کہ سب سے بلند ہے]

اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”العلو“ ثابت کرنے پر سلفِ صالحین کا اجماع ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”العلو“ کو بلا تحریف، بلا تعطیل، بلا تکلیف اور بلا تمثیل ثابت کرنا ضروری ہے، صفت ”العلو“ سے مراد اللہ تعالیٰ کا حقیقی طور پر سب سے بلند ہونا ہے، جو اس ذاتِ باری تعالیٰ کے لائق ہے۔

علو کی دو قسمیں ہیں

(۱) **علو صفت:** اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اعلیٰ ہیں، ان میں کسی بھی طرح کا کوئی نقص نہیں ہے، اس کی دلیل گزر چکی ہے۔

(۲۹) مسلم: کتاب صلوٰۃ المسافرين وقصرہا: باب استحباب تطویل القراءة فی صلوٰۃ اللیل (۷۷۲) (۲۰۳)

(۲) **غلو ذات:** اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام مخلوقات کے اوپر ہے۔

اس کے کچھ دلائل تو گزر چکے اور مزید دلائل یہ ہیں:

☆ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ﴾ (الملك: ۱۶)

ترجمہ: (کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے جو آسمان میں ہے)

☆ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[ربنا اللہ الذی فی السماء تقدس اسمک] (۳۰)

ترجمہ: [ہمارا رب وہ ہے جو آسمان میں ہے، اے اللہ تیرا نام پاک ہے] (اسے ابو داؤد نے روایت کیا ہے اس کی سند میں زیادہ ابن محمد ہے جسے امام بخاری نے منکر الحدیث کہا ہے)

☆ آپ ﷺ نے ایک لونڈی سے پوچھا: [اللہ کہا ہے؟] اس نے جواب دیا: آسمان میں، آپ ﷺ نے اس کے مالک سے کہا: اسے آزاد کر دو یہ مومنہ ہے] (مسلم) (۳۱)

☆ آپ ﷺ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے والد حصین بن عبید الخزاعی سے فرمایا:

[اترك الستة واعبد الذی فی السماء] (۳۲)

(۳۰) یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس حدیث کی دو سندیں ہیں

الاول: زیادہ بن محمد عن محمد بن الکعب القرظی عن فضالة بن عید عن ابی الدرداء۔ اس سند سے یہ روایت ابو داؤد (۳۸۹۲) عمل الیوم واللیلۃ للنسائی (۱۰۳۷) الحاکم (۳۴۴/۱) الاسماء والصفات للبیہقی (ص: ۴۲۳) الرعلی الجیمیۃ للدارمی (۷۰) العلولا بن قدامة (۱۸۱۸) میں ہے۔

یہ سند شدید ضعیف ہے، اس میں زیادہ بن محمد بن محمد الانصاری، متروک ہے (تقریب) امام الذہبی المیزان (۹۸/۲) میں فرماتے ہیں: یہ راوی اس حدیث میں متروک ہے، اور امام حاکم کی تصحیح پر تعاقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: زیادہ بن محمد کو امام بخاری وغیرہ نے منکر الحدیث کہا ہے۔ العلو (ص: ۲۷) میں ہے کہ ”زیادہ بن محمد لیکن الحدیث“ ہے۔

الثانی: ابوبکر بن ابی مریم عن الاشیاخ عن فضالة بن عید الانصاری قال علمنی رسول اللہ ﷺ..... الخ یہ سند بھی ضعیف ہے، اس میں الاشیاخ مجہول ہیں اور ابوبکر بن ابی مریم ضعیف اور مختلط ہے۔

(۳۱) مسلم: کتاب الجنازہ ومواضع الصلوٰۃ: باب تحريم الکلام فی الصلوٰۃ وفتح ما کان من اباحۃ (۵۳۷)

(۳۲) یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس میں فضالة بن عید (۱۹) میں، اور الذہبی نے العلو للعلی الغفاری (ص: ۲۴۲، ۲۴۳) میں =

ترجمہ: [چھوڑ دو اور صرف اس کی عبادت کرو جو آسمان میں ہے]

مؤلف رحمہ اللہ نے حصین بن حمید کے اسلام قبول کرنے کے قصے کے تحت یہی الفاظ بیان کیے ہیں، البتہ ”الاصابة“ میں ابن خزیمہ کے حوالہ سے اس سے مختلف الفاظ ہیں، اس حدیث میں نبی ﷺ کا حصین کی اس بات کا اقرار و اثبات ثابت اور موجود ہے کہ ایک الہ آسمان میں ہے (جس سے اللہ تعالیٰ کی صفت العلو ثابت ہو رہی ہے)

اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے صفت العلو ثابت کرنے پر سلفِ صالحین کا اجماع ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے صفت العلو کو بلا تخریف، بلا تعطیل، بلا تکلیف اور بلا تمثیل ثابت کرنا ضروری ہے (صفت العلو کا معنی اللہ تعالیٰ کا اپنی تمام مخلوقات سے بلند ہونا ہے)

معطلہ اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے جہت العلو (اس کے آسمانوں کے اوپر ہونے کا) انکار کرتے ہیں، اور اس کا معنی یہ کرتے ہیں کہ آسمان میں اللہ تعالیٰ کی حکومت ہے۔ ہم قاعدہ نمبر ۴ میں مذکور تین وجوہ کی روشنی میں ان کا رد کرتے ہیں، اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت تو زمین میں بھی ہے (پھر آسمان کی تخصیص کا کیا معنی) اور پانچویں وجہ یہ ہے کہ دلالت عقل بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے صفت العلو ثابت ہو کیونکہ صفت العلو صفت کمال ہے۔ اور چھٹی وجہ یہ ہے کہ دلالت فطرت بھی اللہ تعالیٰ کے تمام مخلوقات کے اوپر ہونے کو متقاضی ہے کیونکہ تمام مخلوقات کی فطرت میں یہ بات موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ اوپر ہے۔

اللہ تعالیٰ کے آسمانوں میں ہونے کا مطلب

اللہ تعالیٰ کے آسمانوں میں ہونے کا صحیح معنی یہ ہے کہ آسمانوں کے اوپر ہے ”فی“ بمعنی ”علی“ ہے بمعنی ظرف نہیں، کیونکہ آسمان اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ السماء بمعنی بلندی بھی آتا ہے تو پھر یہاں آسمان مراد نہیں ہوگا (بلکہ بلندی میں ہونا مراد ہوگا۔

= بطریق رجاء بن محمد البصری حدثنا عمران بن خالد بن طلحہ حدثی ابی عن ابیہ عن جدہ..... الخ روایت کیا ہے۔ امام الذہبی نے عمران بن خالد کو ضعیف کہا ہے۔ خالد بن طلحہ کے متعلق دارقطنی فرماتے ہیں: یہ قوی نہیں ہے۔ (لسان المیزان (۳/۲) اس حدیث کو ابن خزیمہ نے بھی مذکورہ سند سے التوحید (ص: ۱۰۱، ۱۲۰) میں روایت کیا ہے۔

تنبیہ: مؤلف رحمہ اللہ نے سابقہ کتب کے حوالے سے نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب کی جو علامت نقل کی ہے ”وہ زمین پر سجدہ کریں گے لیکن ان کا زعم یہ ہوگا کہ ان کا معبود آسمان میں ہے“ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس کی کوئی سند ہی نہیں (۳۳) اور اس لیے بھی صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے ”علو“ کا عقیدہ رکھنا اور اسے سجدہ کرنا اس امت کے ساتھ خاص نہیں ہے اور جو بات خاصیت نہ ہو وہ علامت نہیں بن سکتی، اور یہ بات اس لیے بھی صحیح نہیں کہ عقیدہ کی بات زعم (گمان) سے تعبیر کرنے میں کوئی مدح کا پہلو نہیں ہے، کیونکہ زعم کا استعمال اکثر مقام شک میں ہوتا ہے



[۲۰] سئل الامام مالک بن انس رحمہ اللہ فقیل: یا أبا عبد اللہ: ﴿الرحمن علی العرش استوی﴾ (طہ: ۵) کیف استوی؟ فقال: الاستواء غیر مجهول، والکیف غیر معقول، والایمان بہ واجب، والسؤال عنه بدعة. ثم امر بالرجل فأخرج.

ترجمہ: امام مالک بن انس رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اے ابو عبد اللہ! (قرآن مجید میں ہے) ﴿الرحمن علی العرش استوی﴾ (طہ: ۵) ترجمہ: (رحمن عرش پر مستوی ہوا) تو کس طرح مستوی ہوا؟ امام مالک نے فرمایا: استواء (کا معنی) معلوم ہے، اس کی کیفیت کا ادراک عقل و فہم سے بالا ہے، لیکن اس پر ایمان لانا واجب ہے، اور کیفیت کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے۔ پھر امام مالک کے حکم سے اس شخص کو مجلس سے نکال دیا گیا۔ (۳۴)

..... شرح

امام مالک بن انس رحمہ اللہ کا جواب

(۳۳) یہ بات ایک اثر کے ضمن میں وارد ہوئی ہے، جسے ابن قدامۃ نے العلو (۲۱) میں اپنی سند سے عدی بن عمیرہ بن فردۃ المعبدی سے ذکر کیا ہے۔ یہ قصہ، الاصابة (۲/۴۷۰) میں عدی بن عمیرہ کے ترجمے کے ساتھ مذکور ہے۔ الذہبی نے اس قصہ کو العلو (ص: ۲۵) میں ذکر کرنے کے بعد کہا ہے: یہ حدیث غریب ہے۔

(۳۴) یہ صحیح ہے۔ ابن قدامۃ نے العلو (۲/۴۷۰) میں الذہبی نے العلو (ص: ۱۳۱، ۱۳۲) میں ابی نعیم نے

امام صاحب کا پورا نام و نسب یہ ہے، مالک بن انس بن مالک۔ امام مالک کے والد انس بن مالک صحابی رسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ کوئی اور ہیں۔ امام مالک کے دادا مالک کبار تابعین میں سے ہیں اور امام صاحب کے پردادا صحابی ہیں۔

امام صاحب تبع تابعین کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں: آپ ۹۳ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے، اور ۱۷۹ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔

امام مالک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا اے ابوعبداللہ قرآن میں ہے:

﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (طہ: ۵) ترجمہ: (رحمن عرش پر مستوی ہوا)

تو اس کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت کیا ہے؟ امام صاحب نے جواب دیا کہ:

”الاستواء غیر مجہول“ یعنی استواء کا معنی معلوم ہے اور وہ ہے بلند ہونا، چڑھنا اور مستقر ہونا

”والکیف غیر معقول“ یعنی استواء علی العرش کی کیفیت عقل کے ذریعے معلوم نہیں کی جاسکتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس بات سے عظیم اور برتر ہے کہ اس کی صفات کی کیفیات عقل کے ذریعے معلوم کی جاسکیں۔

”والایمان بہ واجب“ یعنی اللہ تعالیٰ کے استواء علی العرش پر ایمان لانا واجب ہے، کیونکہ کتاب و سنت سے یہ بات ثابت ہے۔

= الخلیۃ (۱/۳۲۵، ۳۲۶) میں، دارمی نے الرد علی الجہمیۃ (ص: ۵۵) میں، لاکائی نے شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ (۶۶۳) میں، ابوعثمان الصابونی نے عقیدہ السلف (۲۳- ۲۶) میں اور بیہقی نے الاسماء والصفات (ص: ۴۰۸) میں ذکر کیا ہے۔ یہ اثر متعدد طرق سے مروی ہے، جو ایک دوسرے کیلئے قوت کا باعث ہیں۔ الذہبی نے العلویں اس اثر کو صحیح کہا ہے، شیخ البانی نے مختصر العلویں اسے قوی قرار دیا ہے۔ ابن حجر فتح الباری (۱۳/۴۰۶)، (۴۰۷) میں فرماتے ہیں: بیہقی نے جید سند کے ساتھ اسے روایت کیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ مجموع الفتاویٰ (۵/۳۶۵) میں امام مالک کے اس اثر کو ذکر کر کے فرماتے ہیں: اسی طرح کا جواب امام مالک کے شیخ ربیعہ سے بھی ثابت ہے۔

”والسؤال عنہ بدعة“ یعنی اللہ رب العزت کے استواء علی العرش کی کیفیت کی بابت سوال کرنا بدعت ہے، کیونکہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے عہد مبارک میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی کسی بھی صفت کی کیفیت کے تعلق سے کوئی سوال موجود نہ تھا۔

پھر امام صاحب کے حکم سے اس شخص کو مسجد سے نکال دیا گیا تا کہ دوسرے لوگوں کے عقیدے میں بگاڑ کا باعث نہ بنے اور تا کہ اس کو تنبیہ ہو جائے اور آئندہ مجالس علم میں اس قسم کا جاہلانہ سوال نہ کرے۔



فصل

کلام اللہ تعالیٰ

[۲۱] ومن صفات الله تعالى ، أنه متكلم بكلام قديم ، يسمعه منه من شاء من خلقه ، سمعه موسى عليه السلام من غير واسطة ، وسمعه جبريل عليه السلام ، ومن أذن له من ملائكته ورسله .

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی صفات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ کلام فرماتا ہے، اور اس کا کلام ازلی ہے۔ اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنا کلام سناتا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے بلا واسطہ اللہ کا کلام سنا، جبریل علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کی کلام سنتے رہے، نیز اللہ تعالیٰ کے اذن سے بہت سے ملائکہ و رسل نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا۔

[۲۲] وأنه سبحانه يكلم المؤمنين في الآخرة ويكلمونه ، ويأذن لهم فيزورونه ،

قال الله تعالى: ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا﴾ (النساء: ۱۶۴)

وقال سبحانه: ﴿يُمُوسَى إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي﴾ (الاعراف: ۱۴۴)

وقال سبحانه: ﴿مَنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ﴾ (البقرة: ۲۵۳)

وقال سبحانه: ﴿وَمَا كَانَ لَبِشْرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ

حِجَابٍ﴾ (الشورى: ۵۱)

وقال سبحانه: ﴿فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَا مُوسَى . إِنِّي أَنَا رَبُّكَ﴾ (طہ: ۱۱)

وقال سبحانه: ﴿إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي﴾ (طہ: ۱۴)

وغیر جائز أن يقول هذا احد غیر الله

ترجمہ: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے کلام فرمائے گا، اور وہ بھی اس سے کلام کریں گے، نیز اللہ تعالیٰ کی اجازت سے وہ اس کی زیارت سے بھی مشرف ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا﴾ (النساء: ۱۶۴)

ترجمہ: (اور موسیٰ علیہ السلام) سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا

نیز فرمایا: ﴿يُمُوسَى إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي﴾

(الاعراف: ۱۴۴)

ترجمہ: (اے موسیٰ! میں نے تجھے لوگوں پر امتیاز بخشا اپنی رسالت اور شرف ہم کلامی عطا

(ماکر)

نیز فرمایا: ﴿مَنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ﴾ (البقرة: ۲۵۳)

ترجمہ: (ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بات چیت کی ہے)

نیز فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ لَبِشْرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ﴾

ترجمہ: (ناممکن ہے کہ کسی بندہ سے اللہ تعالیٰ کلام کرے مگر وحی کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے

سے) (الشورى: ۵۱)

نیز فرمایا: ﴿فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَا مُوسَى . إِنِّي أَنَا رَبُّكَ﴾ (طہ: ۱۱)

ترجمہ: (جب وہ وہاں پہنچے تو آواز دیئے گئے اے موسیٰ! یقیناً میں ہی تیرا پروردگار ہوں)

نیز فرمایا: ﴿إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي﴾ (طہ: ۱۴)

ترجمہ: (بیشک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا عبادت کے لائق اور کوئی نہیں پس تو میری ہی

مہادت کر)

اور یہ قطعاً جائز نہیں ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور کہے۔

[۲۳] وقال عبد الله بن مسعود ؓ: [إذا تكلم الله بالوحي ، سمع صوته

اهل السماء . روى ذ لك عن النبى ﷺ .

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: [کہ جب اللہ تعالیٰ وحی کے ساتھ کلام فرماتا ہے، تو آسمان والے (فرشتے) اس کی آواز سنتے ہیں۔ انہوں نے یہ بات نبی ﷺ سے بیان فرمائی ہے۔]

[۲۴] وروى عبد الله بن أنيس عن النبى ﷺ أنه قال: [يحشر الله الخلائق يوم القيامة عراة حفاة غرلا بهما، فيناديهم بصوت يسمعه من بعد كما يسمعه من قرب: أنا الملك، أنا الذي أنا] (رواه الأئمة واستشهد به البخارى)

ترجمہ: عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو اس حالت میں جمع کرے گا کہ وہ برہنہ، ننگے پیر، غیر محتون اور خالی ہاتھ ہوں گے، پھر ان سب کو ایک آواز سے پکارے گا جسے دور و قریب والے یکساں طور پر سنیں گے: میں بادشاہ ہوں، میں ہی بدلہ دینے والا ہوں۔] (اس حدیث کو ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے، امام بخاری نے بطور استشہاد ذکر کیا ہے)

[۲۵] وفى بعض الآثار: أن موسى عليه السلام ليلة رأى النار فهالته ففرع منها، فناداه ربه: يا موسى، فأجاب سريعاً استئناساً بصوت، فقال: لييك لبيك، اسمع صوتك ولا رى مكانك، فأين انت؟ فقال: أنا فوقك وأما مك وعن يمينك وعن شما لك، فعلم ان هذه الصفة لا تنبغى الا لله تعالى. قال: كذ لك انت يا الهى، أفكلامك اسمع، أم كلام رسولك؟ قال: بل كلامى يا موسى.

ترجمہ: بعض آثار میں منقول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک رات آگ کو دیکھا تو آگ سے ڈر گئے، اللہ تعالیٰ نے انہیں پکارا: اے موسیٰ، آواز سے انیسیت محسوس کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام نے

ہلدی سے کہا: حاضر حاضر، تیری آواز سن رہا ہوں مگر تجھے دیکھ نہیں پا رہا، تو کہاں ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے کہا: میں تیرے اوپر، تیرے سامنے، تیرے دائیں اور تیرے بائیں ہوں۔ موسیٰ علیہ السلام جان گئے کہ یہ صفات تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتیں، لہذا فوراً کہا: اے میرے اللہ تو یقیناً ایسا ہی ہے، لیکن کیا میں تیرا کلام سن رہا ہوں، یا تیرے پیغمبر (فرشتے) کا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! تم میرا کلام سن رہے ہو۔

..... شرح
.....

اللہ تعالیٰ کے کلام فرمانے کا بیان

پند رہویں صفت: الکلام (کلام کرنا)

اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”الکلام“ کتاب و سنت اور اجماع سلف سے ثابت ہے۔
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا﴾ (النساء: ۱۶۴)

ترجمہ: (اور موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا)

نیز فرمایا: ﴿مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ﴾ (البقرة: ۲۵۳)

ترجمہ: (ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام (بات چیت) کی ہے)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [جب اللہ تعالیٰ کسی حکم کی وحی کرنے کا ارادہ فرماتا ہے، تو وحی کے

ساتھ کلام کرتا ہے] (اس حدیث کو ابن خزیمہ، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے) (۳۵)

اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”الکلام“ کا ثابت ہونے پر سلف صالحین کا اجماع ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کیلئے صفت ”الکلام“ کو بلا تحریف، بلا تعطیل، بلا تکلیف اور بلا تمثیل ثابت کرنا ضروری ہے، اور وہ حقیقی کلام

ہے، بالکل ویسا جیسا اس کی ذات کے لائق ہے اور اس کا کلام فرمانا اس کی مشیت کے تابع ہے اور وہ

حروف اور سنی جانے والی آوازوں کے ساتھ کلام فرماتا ہے۔

(۳۵) اس کی تخریج حاشیہ نمبر (۲۲) میں آئے گی۔

☆ اور اللہ تعالیٰ کے کلام کے اس کی مشیت کے متعلق اور تابع ہونے کی دلیل اس کا یہ فرمان ہے:

﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ﴾ (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ: (اور جب موسیٰ ہمارے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام فرمائی)

موسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا ان سے کلام فرمانا، اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی مشیت کے تابع ہے۔ (یعنی جب اس کی مشیت متقاضی کلام ہوتی ہے تو وہ کلام فرماتا ہے)

اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کے بارے میں اہل سنت کے مخالفین

متعدد فرقوں نے مسئلہ کلام اللہ میں اہل السنۃ کی مخالفت کی ہے۔ ان میں سے دو یہ ہیں:

پہلا فرقہ: جمہیہ، ان کا نظریہ ہے کہ کلام، اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے ہوا میں یا جس جگہ سے سنائی دیتی ہے، میں پیدا فرمایا، اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی اضافت، اضافتِ خلق یا اضافتِ تشریف ہے، جیسے: ناقة الله (اللہ کی اونٹنی) بیت الله: (اللہ کا گھر) ہم درج ذیل وجوہ سے ان کا رد کرتے ہیں:

(۱) کلام اللہ کے متعلق یہ نظریہ اجماع سلف کے خلاف ہے۔

(۲) یہ نظریہ عقل کے بھی خلاف ہے، کیونکہ کلام، تکلم کی صفت ہے اور کوئی کلام ایسی نہیں جو تکلم سے جدا ہو اور بذات خود قائم ہو۔

(۳) موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی یہ کلام سنی:

﴿إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي﴾ (طہ: ۱۴۰)

ترجمہ: (بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا عبادت کے لائق اور کوئی نہیں پس تو میری ہی عبادت کر)

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کا یہ بات کہنا قطعی محال و ناممکن ہے۔

دوسرا فرقہ: اشعریہ، ان کا نظریہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام فرمانا اس کی ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے لیکن اس کی مشیت سے متعلق نہیں ہے، اور یہ سننے جانے والے حروف

ذات اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں جو اس نے اپنی صفت کلام، جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے کی تعبیر پیدا فرمائے ہیں۔ ہم ان کے اس نظریہ کی درج ذیل وجوہ سے تردید کرتے ہیں۔

(۱) یہ نظریہ اجماع سلف کے خلاف ہے۔

(۲) یہ نظریہ مذکورہ دلائل کے برخلاف ہے، جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کلام دل رینے والی چیز ہے۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ سنائی آواز ہی دیتی ہے نہ کہ وہ معنی جو قائم بذاتہ ہے۔

(۳) یہ نظریہ عرف عام کے بھی خلاف ہے، کیونکہ عرف عام میں کلام اس چیز کو کہا جاتا ہے جو تکلم ہے نہ کہ اس چیز کو جو وہ اپنے دل میں چھپاتا ہے۔

☆ کلام اللہ کے حروف ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کی یہ فرمان ہے۔

﴿بِأَمْرِ سُبْحٰنٍ أَنشَأَ رَبُّكَ﴾ (طہ: ۱۱۱) ترجمہ: (اے موسیٰ! بے شک میں ہی تیرا رب ہوں) اس آیت میں ﴿انہی انا ربک﴾ حروف کا مرکب ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔

☆ کلام اللہ کے صوت (آواز) ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

﴿وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ. وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا﴾ (مریم: ۵۴)

ترجمہ: (ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے آواز دی اور راز گوئی کرتے ہوئے اسے قریب کر لیا) نداء (آواز دینا) اور مناجات (سرگوشی کرنا) بغیر آواز کے ممکن نہیں۔

یزید عبد اللہ بن انیس سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [يَحْشُرُ اللَّهُ الْخَلَائِقَ فَيُنَادِيهِمْ هَوْتَ يَسْمَعُهُ مِنْ بَعْدِ كَمَا يَسْمَعُهُ مِنْ قَرَبٍ: أَنَا الْمَلِكُ أَنَا الدَّيَان] (۳۷)

(۳۷) یہ حدیث حسن ہے، امام بخاری نے صحیح بخاری میں دو مقامات پر اسے معلقاً ذکر کیا ہے، (۱/۱۷۳)۔ بصیغہ لازم (۱۳/۳۵۳)۔ بصیغہ تہریض)۔ جبکہ امام صاحب نے الادب المفرد (۹۷۰) اور خلق افعال العباد (ص: ۱۳۱) میں اسے موصولاً ذکر فرمایا ہے۔ امام احمد (۳/۴۹۵) بیہقی (الاسماء والصفات، ص: ۷۸، ۷۹) ابن ابی عاصم (السنۃ، ص: ۵۱۳) حاکم (المستدرک، ص: ۴۳۷)۔ (۵۷۵، ۵۷۴/۴) نے بھی اسے موصولاً ذکر کیا ہے۔ حاکم نے اس کی تصحیح اور دھیمی نے موافقت فرمائی ہے۔ ابن حجر نے الفتح (۱۷۴/۱) میں اسے قوی کہا ہے اور اس کے متعدد طرق ذکر کیے ہیں، ان میں سے ایک طریق کو ”صالح“ کہا ہے۔ شیخ البانی نے تخریج السنۃ (۵۱۴) میں ”حدیث صحیح“ کہا ہے۔ ابن کثیر نے ابن کثیر فی بیان القرآن (ص: ۸۰) میں ذکر کیا ہے۔

ترجمہ: [اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام مخلوق کو جمع کرے گا پھر ان سب کو آواز سے پکارے گا، دور و قریب والے یکساں طور پر سنیں گے: ”میں ہی بادشاہ ہوں، میں ہی بدلہ دینے والا ہوں“] (اس روایت کو امام بخاری نے صیغہ تریض کے ساتھ معلقاً ذکر کیا ہے، ابن حجر العسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں: امام بخاری نے اسے الادب المفرد میں روایت کیا ہے، اور امام احمد، ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں اسے روایت کیا ہے۔ ابن حجر نے اس کی مزید دو سندیں بھی ذکر کی ہیں)

اللہ تعالیٰ کی کلام نوع کے اعتبار سے قدیم (ازلی) ہے، اور آحاد کے اعتبار سے حادث ہے۔ قدیم النوع، کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے متکلم ہے اور ہمیشہ متکلم رہے گا، ایسا نہیں کہ پہلے متکلم نہیں تھا اور بعد میں متکلم ہوا ہو۔

اور حادث الآحاد کا مطلب یہ ہے کہ اس کی بعض کلام یعنی متعین اور مخصوص کلام حادث ہے، کیونکہ اس کی مشیت سے متعلق ہے، اس نے جب چاہا جو چاہا اور جیسے چاہا کلام کیا۔

کلام کے متعلق مؤلف رحمہ اللہ کی عبارت پر شارح کی تعلیق اور مؤلف رحمہ اللہ کے قول ”متکلم بکلام جدید“ سے بظاہر یہ سمجھ آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہر اعتباراً نوع بھی قدیم ہے اور باعتبار آحاد بھی، یہ بات اہل السنۃ والجماعۃ کے مذہب کے خلاف ہے۔ اس کا صحیح معنی یہ ہے کہ اللہ رب العزت کا کلام فرمانا باعتبار نوع قدیم وازی اور باعتبار آحاد جدید حادث ہے۔ یہی معنی اہل السنۃ والجماعۃ کے مذہب کے مطابق ہے۔

(مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا صفت کلام سے متصف ہونا ہمیشہ سے ہے، جبکہ اس کا اپنی مشیت سے واقف و قفا کلام فرمانا جسے ہم نے آحاد کلام سے تعبیر کیا ہے، حادث اور جدید ہے)

مؤلف رحمہ اللہ کے قول ”موسیٰ علیہ السلام نے براہ راست (بلا واسطہ) اللہ کا کلام سنا“ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ﴾ (طہ: ۱۳)

ترجمہ: (اور میں نے تجھے منتخب کر لیا ہے اب جو وحی کی جائے اسے کان لگا کر سن) مؤلف رحمہ اللہ کے قول ”جبریل علیہ السلام نے اللہ کے کلام کو سنا“ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ﴾ (النحل: ۱۰۲)

ترجمہ: (کہہ دیجئے کہ اسے آپ کے رب کی طرف سے جبرائیل حق کے ساتھ لے کر آئے ہیں) مؤلف رحمہ اللہ نے فرمایا: ”رسولوں اور ملائکہ میں سے جنہیں اللہ نے اجازت دی انہوں نے بھی اللہ کا کلام سنا“

☆ فرشتوں کے کلام اللہ سننے کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: ﴿لَكِن رَّبَّنَا إِذَا قُضِيَ أَمْرًا سَبَّحَ حَمَلَةُ الْعَرْشِ ثُمَّ يَسْبَحُ أَهْلُ السَّمَاءِ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ التَّسْبِيحَ أَهْلُ السَّمَاءِ الَّذِينَ يَقُولُ الَّذِينَ يَلُونَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ لِحَمَلَةِ الْعَرْشِ ﴿مَاذَا قَالَ رَبِّكُمْ﴾ (سبا: ۲۳) فی خبر و نہم [رواہ مسلم] (۳۸)

ترجمہ: [ہمارا رب جب کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش فرشتے تسبیح شروع کر دیتے ہیں، پھر فرشتے حاملین عرش کے قریب ہوتے ہیں وہ تسبیح شروع کر دیتے ہیں حتیٰ کہ یہ تسبیح کا سلسلہ آسمان والوں کے فرشتوں تک پہنچ جاتا ہے، پھر جو فرشتے حاملین عرش سے قریب ہوتے ہیں وہ حاملین عرش سے کہتے ہیں: تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ تو وہ انہیں (رب کے فرمان سے) مطلع کرتے ہیں۔]

☆ رسولوں کے کلام اللہ سننے کی دلیل یہ ہے کہ صحیح احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے کلام فرمایا تھا۔ (۳۹)

مؤلف رحمہ اللہ کے قول ”اللہ تعالیٰ مؤمنین سے کلام فرمائے گا اور وہ بھی اللہ تعالیٰ سے کلام کریں گے“ کی دلیل ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿يَقُولُ اللَّهُ لَأَهْلِ الْجَنَّةِ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ فَيَقُولُونَ لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ﴾ (۴۰) ترجمہ: [اللہ تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا اے اہل جنت، تو اہل جنت (محبت و خوشی سے) جواب دیں گے لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ] (متفق علیہ)

(۳۸) مسلم: کتاب السلام: باب تحریم الکھانۃ و التیان الکھان (۲۲۹)
(۳۹) البخاری: (۳۲۰۷)، (۳۸۸۷)، مسلم: (۱۶۳)، (۲۶۳) عن انس بن مالک عن مالک بن صعصعہ
(۴۰) البخاری: کتاب الرقاق: باب قولہ عز وجل: ﴿إِنَّ زُلْفَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ﴾ (۶۵۳۰)
کتاب الایمان: باب قولہ عز وجل: ﴿إِنَّ زُلْفَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ﴾ (۲۲۲) عن ابی سعید الخدری

مؤلف رحمہ اللہ کا قول: ”اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد وہ (مؤمنین) اس کی زیارت سے مشرک ہوں گے“ اس کی دلیل ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے:

[ان النبی ﷺ قال: ان اهل الجنة اذا دخلوا فيها نزلوا بفضل اعمالهم لو يؤذن لهم في مقدار يوم الجمعة من أيام الدنيا فيزورون ربهم ...] (۴۱)

(رواہ ابن ماجہ، والترمذی)

ترجمہ: نبی ﷺ نے فرمایا: [اہل جنت اپنے اپنے اعمال کی فضیلت کے لحاظ سے جنت میں داخل ہونگے، پھر انہیں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی اجازت دی جائیگی چنانچہ دنیا کے دنوں میں سے جمعہ کے دن کے برابر وقت میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کریں گے] (اسے ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے، امام ترمذی نے اسے غریب اور شیخ البانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے)

مؤلف رحمہ اللہ کا قول ”ابن مسعود فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب وحی کے ساتھ کلام فرماتا ہے آسمان والے (فرشتے) اس کی آواز سنتے ہیں“ میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس اثر کو مذکورہ الفاظ کے ساتھ کہیں نہیں پایا۔ البتہ ابن خزیمہ نے کتاب التوحید میں اس اثر کے کچھ طرق مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر کیے ہیں، ان میں یہ الفاظ بھی ہیں: [سمع اهل السموات للسموات صليلاً] آسمان والے، آسمانوں کی آواز سنتے ہیں]

البتہ نواس بن سمان کی ایک مرفوع حدیث میں نبی ﷺ سے مروی ہے فرمایا:

[اذا اراد الله أن يوحى بأمره تكلم بالوحي فاذا تكلم أخذت السموات رجفة أو قال رعدة شديدة من خوف الله فاذا سمع ذلك اهل السموات صعقوا]

(رواہ ابن خزیمہ وابن ابی حاتم)

(۴۱) یہ حدیث ضعیف ہے۔ یہ ایک طویل حدیث کا جزء ہے۔ اسے ترمذی (۲۵۵۲) اور ابن ماجہ (۲۳۳۶) نے روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں عبد الحمید بن حبیب بن ابی العشرین، کتاب الاوزاعی ہے۔ ابن حجر القزوی (ص: ۳۳۳) میں اس کے متعلق فرماتے ہیں ”صدوق ربما انحط“ قال ابو حاتم: ”كان كتاب ديوان ولم يكن صاحب حديث“۔ اسی بناء پر امام ترمذی نے اس حدیث کو ”عندہ حدیث غریب“ یعنی ضعیف کہا ہے۔

ترجمہ: [جب اللہ تعالیٰ اپنے امر کی وحی کا ارادہ فرماتا ہے تو وحی کے ساتھ کلام کرتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہے تو آسمانوں پر اللہ تعالیٰ کے خوف سے شدید کچکی طاری ہو جاتی ہے اور جب اہل آسمان (فرشتے) اللہ کی کلام سنتے ہیں تو بے ہوش ہو کر گر پڑتے ہیں] (۴۲)



(۴۲) یہ حدیث صحیح ہے۔ یہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور مرفوعاً دونوں طرح مروی ہے۔

موقوف روایت کو امام بخاری نے صحیح بخاری میں معلقاً ذکر کیا ہے۔ (الفتح: ۱۳/۵۴۳)

جبکہ ان ائمہ نے اسے موصولاً روایت کیا ہے۔ ابن خزیمہ (التوحید: ص: ۱۳۶، ۱۳۷) ابن جریر (۹۰/۲۲) عبد اللہ بن احمد (السنۃ: ۵۳۷) اور بیہقی (الاسماء والصفات: ص: ۲۰۱) وغیرہ بطریق ابی النضی عن مسروق عن عبد اللہ بن مسعود موقوفاً۔ اس کی سند صحیح ہے۔

جبکہ مرفوع حدیث کو ابو داؤد (۳۸/۳۷) ابن خزیمہ (التوحید: ۹۵، ۹۶) اور بیہقی (الاسماء والصفات: ص: ۲۰۰) نے عبد اللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں: [اذا تكلم الله بالوحي سمع اهل السماء صليلاً كسجر السلسلة] جب اللہ تعالیٰ وحی کے ساتھ کلام فرماتا ہے تو آسمان والے زنجیروں کے کھینچے جانے کے وقت نکلنے والی آواز کی طرح آواز سنتے ہیں]

شیخ البانی الصحیح (۱۲۹۳) میں فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے اور شیخین کی شرط پر ہے۔ مزید فرماتے ہیں کہ موقوف اگرچہ مرفوع سے زیادہ صحیح ہے یہی وجہ ہے امام بخاری نے موقوف کو اپنی صحیح میں معلقاً ذکر کیا ہے، لیکن یہ موقوف مرفوع کے معلول ہونے کا باعث نہیں ہے کیونکہ ایسی بات رائے سے نہیں کی جاسکتی۔ شیخ البانی نے صحیح بخاری کی حدیث ابوہریرہ (۴۷۰۱/۲۸۰۰) کو بطور شاہد ذکر کیا ہے۔ میں کہتا ہوں حدیث ابن عباس جو کہ مسلم (۲۲۲۹) احمد (۲۱۸/۱) اور جامع ترمذی (۳۲۷۷) میں ہے، بھی اس حدیث کیلئے شاہد ہے۔ نواس بن سمان کی مذکورہ حدیث جس کی طرف شیخ عثیمین نے اشارہ فرمایا ہے، بیہقی (الاسماء والصفات: ص: ۲۶۳، ۲۶۴) اور الطبرانی میں ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں: کہ طبرانی کے شیخ یحییٰ بن عثمان کی توثیق کی گئی ہے اور ان پر کلام بھی ہے لیکن قدح معین نہیں ہے، البتہ ان کی روایت ثقہ ہیں۔

فصل

القرآن کلام اللہ

[۲۶] ومن کلام اللہ سبحانہ القرآن العظیم وهو کتاب اللہ المبين وحبلہ المتين، وصراطہ المستقیم وتنزیل رب العالمین، نزل بہ الروح الامین علی قلب سید المرسلین، بلسان عربی مبين، منزل غیر مخلوق، منه بدأ والیہ یعود .

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے کلام میں قرآن عظیم بھی شامل ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی واضح کتاب اور مضبوطی ہے، نیز صراطِ مستقیم ہے جو اللہ رب العالمین کی طرف سے وقفہ وقفہ سے نازل ہوا ہے، اسے اللہ تعالیٰ نے جبرائیل امین کے ذریعے واضح عربی لغت میں سید المرسلین (محمد رسول اللہ ﷺ) کے قلبِ اطہر پر نازل کیا، قرآن منزل من اللہ ہے، مخلوق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اور اس کی طرف لوٹ جائیگا۔

[۲۷] وهو سور محکمت، وآیات بینات، وحروف وکلمات، من قراہ فأعربہ، فلہ بكل حرف عشر حسنات، لہ أول وآخر، وأجزاء وأبعض، متلو بالأسنة، محفوظ فی الصدور، مسموع بالآذان، مکتوب فی المصاحف، فیہ محکم ومتشابه، وناسخ ومنسوخ، وخاص وعام، وأمر ونہی. ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ (فصلت: ۲۲)

وقوله تعالى: ﴿قُلْ لِّئِنْ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُوا بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ (الاسراء: ۸۸)

ترجمہ: قرآن محکم سورتوں، آیات بینات اور حروف وکلمات پر مشتمل ہے جس نے صحیح تلفظ سے قرآن پڑھا اسے ہر لفظ کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی، قرآن پاک کا اول بھی ہے۔

آخر بھی، اور یہ اجزاء وابعاض پر مشتمل ہے، زبانوں پر تلاوت اور سینوں میں محفوظ کیا جاتا ہے، یہ کلمات و تشابہات، ناسخ و منسوخ، خاص و عام اور امر و نہی پر مشتمل ہے:

﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾

ترجمہ: (جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، یہ عکسوں والے خویوں والے (اللہ) کی طرف سے نازل کردہ ہے) (فصلت: ۴۲)

وقوله تعالى: ﴿قُلْ لِّئِنْ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُوا بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ (الاسراء: ۸۸)

ترجمہ: (کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا ناممکن ہے گو وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں)

..... شرح

قرآن کے متعلق عقیدہ

قرآن کریم کلام اللہ میں سے ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے، مخلوق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اور اسی کی طرف لوٹ جائیگا۔ یہ قرآن حروف و معانی سمیت کلام اللہ ہے۔

قرآن کے کلام اللہ میں سے ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کی یہ فرمان ہے:

﴿وَأَنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ﴾

ترجمہ: (اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ طلب کرے تو تو اسے پناہ دے دے یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے) (التوبة: ۶)

مذکورہ آیت میں کلام اللہ سے مراد قرآن ہے۔

قرآن کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ﴾ (الفرقان: ۱)

ترجمہ: (بہت بابرکت ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے بندہ پر فرقان اتارا)

قرآن کے غیر مخلوق ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ (الاعراف: ۵۴)

ترجمہ: (یاد رکھو! اللہ ہی کیلئے ہے خلق اور امر)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ”الامر“ کو خلق کا غیر قرار دیا ہے، جبکہ قرآن الامر میں سے ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا﴾ (الشوریٰ ۵۲)

ترجمہ: (اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے امر سے روح کو اتارا)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ذَلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنزَلَهُ إِلَيْكُمْ﴾ (الطلاق: ۵)

ترجمہ: (یہ اللہ تعالیٰ کا امر ہے جو اس نے تمہاری طرف اتارا)

اور قرآن اس لیے بھی غیر مخلوق ہے کہ قرآن کلام اللہ میں سے ہے، اور کلام اللہ، اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات غیر مخلوق ہیں، لہذا قرآن غیر مخلوق ہے۔

قرآن کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے اور کلام کی نسبت اسی کی طرف کی جاتی ہے جس نے اولادہ کلام کی ہو۔

اور قرآن کے اللہ تعالیٰ کی طرف واپس لوٹ جانے کی دلیل یہ ہے کہ بعض آثار میں آیا ہے کہ آخری زمانہ میں قرآن مجید صحائف اور لوگوں کے سینوں سے اٹھالیا جائے گا۔ (۴۳)



(۴۳) یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحیح ثابت ہے۔ چنانچہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی مرفوعہ حدیث ہے [..... لیسری علی کتاب

اللہ عز وجل فی لیلۃ فلابقی فی الأرض منه آیۃ..... الخ] ترجمہ: [کتاب اللہ پر کوئی رات ایسی آئے گی کہ

زمین پر کوئی ایک آیت بھی باقی نہیں رہے گی۔ اس روایت کو ابن ماجہ (۴۰۴۹) اور حاکم (۴/۴۷۳) نے روایت کیا

ہے۔ حاکم فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح ہے اور شرط مسلم پر ہے، الذہبی نے موافقت کی ہے۔ شیخ البانی نے بھی تصحیح

(۸۷) میں ان دونوں کی تائید کی ہے، یہ روایت ابوہریرۃ اور ابن مسعود سے موقوفاً صحیح ثابت ہے۔ دیکھیے: العقیدہ

السلفیۃ فی کلام رب البریۃ (ص: ۱۷۳، ۱۷۴)

[۲۸] وهذا هو الكتاب العربی الذی قال فیہ الذین کفروا :

﴿لَنْ نُؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ﴾ (سبأ: ۳۱)

وقال بعضهم: ﴿إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾ (المذثر: ۲۵)

فقال الله سبحانه: ﴿سَأَصْلِيهِ سَقَرٌ﴾ (المذثر: ۲۶)

وقال بعضهم هو شعر، فقال الله تعالى: ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ﴾ (یس: ۶۹)

فلما نفى الله عنه أنه شعر وأثبتته قرآناً لم يبق شبهة لذی لب فی أن القرآن هو هذا الكتاب العربی الذی هو كلمات وحروف وآیات، لأن ما ليس كذا لك لا بقول احد: انه شعر .

ترجمہ: اور یہ وہ کتاب عربی ہے جس کے متعلق کفار نے کہا تھا:

﴿لَنْ نُؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ﴾ (سبأ: ۳۱)

ترجمہ: (اور کافروں نے کہا: ہم ہرگز اس قرآن کو نہ مانیں گے)

اور بعض نے کہا: ﴿إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾ (المذثر: ۲۵)

ترجمہ: (نہیں ہے یہ مگر انسانی کلام) تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا:

﴿سَأَصْلِيهِ سَقَرٌ﴾ (المذثر: ۲۶) ترجمہ: (میں عنقریب اسے دوزخ میں ڈالوں گا)

اور بعض نے کہا یہ تو شعر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا:

﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ﴾

ترجمہ: (نہ تو ہم نے اس پیغمبر کو شعر سکھائے اور نہ یہ اس کے لائق ہے وہ تو صرف نصیحت اور

واضح قرآن ہے) (یس: ۶۹)

پس جب اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے شعر ہونے کی نفی فرمادی اور اس کا قرآن ہونا ثابت

فرمادیا تو اب کسی صاحب عقل کیلئے کسی شبہ کی قطعی کوئی گنجائش باقی نہ رہی کہ قرآن پاک ہی وہ مرہی کتاب ہے جو کلمات، حروف اور آیات پر مشتمل ہے، کیونکہ اگر یہ قرآن کلمات و حروف پر مشتمل نہ ہوتا تو کوئی بھی اسے شعر نہ کہتا۔

[۲۹] وَقَالَ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (البقرة: ۲۳)

ولا يجوز أن يتحداهم بالآيات بما لا يدري ما هو ولا يعقل .

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ (البقرة: ۲۳)

ترجمہ: (ہم نے جو کچھ اپنے بندے پر اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو اور تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت بنالو، تمہیں اختیار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور اپنے مددگاروں کو بھی بلاؤ) قرآن ایک معلوم اور متعارف چیز تھی تب ہی تو اس جیسی چیز لانے کا کفار کو چیلنج دیا گیا، اگر یہ غیر معروف اور عقل و فہم میں نہ آنے والی کوئی چیز ہوتی تو اس جیسی چیز لانے کا چیلنج دینا چہ معنی دارد؟!

[۳۰] وَقَالَ تَعَالَى: ﴿وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا إِنَّتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدَّلَهُ فَلَا مَآكُونَ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَائِي نَفْسِي﴾ (يونس: ۱۵)

فأثبت أن القرآن هو الآيات التي تتلى عليهم

ترجمہ: نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا إِنَّتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدَّلَهُ فَلَا مَآكُونَ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَائِي نَفْسِي﴾ (يونس: ۱۵)

ترجمہ: (اور جب ان کے سامنے ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں، جو بالکل صاف صاف ہیں تو یہ لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے یوں کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لائیے یا اس میں کچھ ترمیم کر دیجئے۔ آپ یوں کہہ دیجئے کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ قرآن ہی وہ آیات بینات ہے جن کی کفار پر تلاوت ہوتی تھی۔

[۳۱] وَقَالَ تَعَالَى: ﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾ (العنكبوت: ۲۹)

وقال تعالى: ﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾ (العنكبوت: ۲۹)
وقال تعالى: ﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ . فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ . لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾ (الواقعة: ۷۷ تا ۷۹)
بعد أن أقسم على ذلك .

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾ (العنكبوت: ۲۹)

ترجمہ: (بلکہ یہ قرآن تو روشن واضح آیات ہیں، جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں) اسی طرح قسم کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ . فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ . لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾

ترجمہ: (بے شک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے۔ جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے۔ جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں) (الواقعة: ۷۷ تا ۷۹)

جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں) (الواقعة: ۷۷ تا ۷۹)

[۳۲] وَقَالَ تَعَالَى: ﴿كِهَيْصَ﴾ (مريم: ۱)

﴿حم. عسق﴾ (الشورى: ۱)

وافتح تسعا وعشرين سورة بالحروف المقطعة.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿کھینص﴾ (مریم: ۱)

﴿حم. عسق﴾ (الشوریٰ: ۱)

اس طرح اٹیس سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے فرمایا۔

[۳۳] وقال النبی ﷺ: [من قرأ القرآن فأعربه، فله بكل حرف منه عشر

حسنات، ومن قرأه ولحن فيه فله بكل حرف حسنة] (حدیث صحیح) (۲۴)

ترجمہ: نبی ﷺ کا فرمان ہے: [جس نے بغیر غلطی کیے صحیح تلفظ کے ساتھ قرآن پڑھا اس کے

لیے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ہیں، اور جس نے غلطی کی اس کیلئے ہر حرف کے بدلے صرف

ایک نیکی ہے]

[۳۴] وقال عليه الصلاة والسلام: [اقرأ القرآن قبل أن يأتي قوم يقيمون

حروفه إقامة السهم لا يجاوز تراقيهم يتعجلون، أجره ولا يتأجلونه] (۲۵)

(۲۴) یہ حدیث شدید ضعیف ہے۔ اسے طبرانی نے اوسط میں [مجمع الزوائد: ۱۶۳/۷] ابن مسعود سے ان الفاظ کے

ساتھ روایت کیا ہے: [قال رسول الله ﷺ: اعربوا القرآن فان من قرأ قرآن فاعربه، فله عشر

حسنات، وكفارة عشر سنات ورفع عشر درجات] ترجمہ: [رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے صحیح

تلفظ کے ساتھ قرآن پڑھا اس کیلئے دس نیکیاں ہیں اور اس کے دس گنا ہوں کا کفارہ ہے اور دس درجات کی بلندی ہے]

امام بیہقی فرماتے ہیں: ”سند میں ہشیل راوی متروک ہے“ اطلق بن راہویہ نے بھی اسے کذاب کہا ہے۔ ابن قدامہ

نے البرہان میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ یہ شدید ضعیف ہے۔ عبد اللہ بن مسعود سے ایک اور

حدیث بھی آئی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: [من قرأ حروفا في كتاب الله إلخ] ترجمہ: [جو شخص کتاب اللہ سے

ایک حرف پڑھتا ہے اسے ایک نیکی ملتی ہے اور ایک نیکی پڑ دس گنا ہوا جرم ملتا ہے، اور میں یہ نہیں کہتا کہ ”آلہم“ ایک حرف

ہے، بلکہ الف الگ حرف ہے، لام الگ حرف ہے اور میم الگ حرف ہے] اس روایت کو امام ترمذی (۲۹۰) نے مرفوعاً

روایت کیا ہے، لیکن ہمارے فاضل بھائی عبد اللہ بن یوسف نے اس کے موقوف ہونے کو درست قرار دیا ہے۔

(۲۵) یہ حدیث صحیح ہے۔ احمد (۳۳۸/۵) ابوداؤد (۸۳۱) ابن حبان (۱۸۷۶-۱۸) موارد) اسکی سند میں ضعیف ہے =

ترجمہ: آپ ﷺ کا فرمان ہے: [خوب قرآن پڑھو! کیونکہ ایسے لوگ آنے والے ہیں جو اس

کے حروف کو اس طرح سیدھا کریں گے جس طرح تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے، لیکن قرآن ان کے

علق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ فوری اجرت کے طلبگار ہونگے، (آخرت کے ثواب

کیلئے) انتظار نہیں کریں گے]

[۳۵] وقال أبو بكر وعمر رضي الله عنهما: اعراب القرآن أحب إلينا من

حفظ بعض حروفه. (۲۶)

ترجمہ: ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے: قرآن کو صحیح اور درست پڑھنا ہمیں اس کے حروف

کے حفظ سے زیادہ پسند ہے۔

[۳۶] وقال علي رضي الله عنه: من كفر بحرف منه فقد كفر به كله. (۲۷)

ترجمہ: جناب علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے جس نے قرآن مجید کے ایک حرف کا انکار کیا گویا اس

نے پورے قرآن کا انکار کیا۔

[۳۷] واتفق المسلمون على عدد سور القرآن وآياته وكلماته وحروفه.

ترجمہ: مسلمانوں کا قرآن کی سورتوں، آیتوں، کلمات اور حروف کی تعداد پر اتفاق ہے

[۳۸] ولا خلاف بين المسلمين في ان من جحد من القرآن سورة أو آية

أو كلمة أو حرفا متفقا عليه أنه كافر، وفي هذا حجة قاطعة على أنه حروف.

ترجمہ: ایسے شخص کے کفر میں مسلمانوں میں کوئی اختلاف نہیں جو قرآن کی کسی ایک صورت

یا آیت یا کلمہ یا حرف جس کا قرآن میں سے ہونا متفق علیہ ہو، انکار کرے۔

یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ قرآن حروف پر مشتمل کتاب ہے۔

= البتہ اس حدیث کے شواہد ہیں جس سے یہ حدیث قوی ہوگئی ہے۔ ایک شاہد جابر بن عبد اللہ کی حدیث، احمد

(۳۹۷/۳۹) ابوداؤد (۸۳۰) میں ہے، اور اس کی سند صحیح ہے۔ دیکھیے الصحیح: (۲۵۹)

(۲۶) یہ اثر شدید ضعیف ہے۔ اس اثر کو ابن الاثاری نے الوقف والابتداء (۲۰/۱) میں ان الفاظ کیساتھ روایت =

..... شرح

قرآن حروف و کلمات ہیں

قرآن مجید کے حروف و کلمات ہونے پر مؤلف رحمہ اللہ نے آٹھ دلائل بیان کیے ہیں۔

(مؤلف رحمہ اللہ کا قرآن حکیم کے حروف پر مشتمل ہونے کو ثابت کرنا درحقیقت فرقہ اشاعرہ پر ہے جو قرآن حکیم کے حروف مقروءہ کو مخلوق قرار دیتے ہیں اور ان حروف کو کلام اللہ کی تعبیر سمجھتے ہیں اور کلام اللہ سے مراد بقول ان کے وہ معنی ہے جو قائم بذات اللہ ہے، چنانچہ ان کے رد کیلئے وہ آٹھ دلائل ملاحظہ ہوں)

(۱) کفار نے قرآن مجید کو شعر قرار دیا ہے۔ اور شعر کا اطلاق حروف و کلمات پر مشتمل کلام ہی پر کیا جاسکتا ہے۔ (لہذا معلوم ہوا کہ قرآن حروف و کلمات پر مشتمل کلام ہے۔) (۲۸)

= کیا ہے۔ [لبعض اعراب القرآن اعجب الينا من حفظ بعض حروفه] ترجمہ: [قرآن کو صحیح تلفظ سے پڑھنا ہمیں اس کے حفظ سے زیادہ پسند ہے۔] البتہ اس کی سند شدید ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں جابر بن یزید الجعفی ہے جو کہ ضعیف ہے اور شریک القاضی ہے جو صدوق ہے اور بہت غلطیاں کرتا ہے اور اس کا حفظ بھی خراب ہو گیا تھا۔ اور سند میں انقطاع بھی ہے۔ (تعلیق بدر البدر علی المذمۃ: ۱۹) ابن قدامۃ نے اس اثر کو البرہان (۴۴) میں ذکر کیا ہے (۴۷) اس اثر کو ابن ابی شیبہ نے (۵۱۳، ۵۱۳/۱۰) اور ابن جریر نے اپنی تفسیر (۵۶) میں شعیب بن الحجاب کے طریق سے روایت کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں: کہ ابو العالیہ کے پاس جب کوئی شخص قرآن پڑھتا تو وہ یہ نہ کہتے کہ اس نے غلط پڑھا ہے، بلکہ کہتے: میں اس لفظ کو یوں پڑھتا ہوں۔ شعیب بن الحجاب کہتے ہیں میں نے یہ بات ابراہیم نخعی سے کہی تو انہوں نے کہا: کہ میرا خیال ہے کہ آپ کے ساتھی (یعنی ابو العالیہ) نے یہ بات سن رکھی ہے ”جس نے قرآن کے ایک حرف کا انکار کیا اس نے پورے قرآن کا انکار کیا“ اس کی سند صحیح ہے۔ ابن قدامۃ نے اس اثر کو البرہان (ص: ۴۵) میں ذکر کیا ہے، اور علی رضی اللہ عنہ سے ایک اور اثر بھی ذکر کیا ہے کہ ان سے جنبی آدمی کے متعلق سوال کیا گیا کیا وہ قرآن پڑھ سکتا ہے؟ تو انہوں نے کہا: نہیں، ایک حرف بھی نہیں۔

میں کہتا ہوں علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اثر مصنف ابن ابی شیبہ (۱۰۲/۱) میں بھی ہے۔

(۲۸) ابن قدامۃ البرہان (۲۷) میں فرماتے ہیں یہ بات معلوم ہے کہ مشرکین نے الفاظ قرآن مراد لیے ہیں اس

لیئے کہ شعر، کلام موزون کو کہتے ہیں، لہذا معنی کو شعر نہیں کہا جاسکتا، اور نہ ہی اس چیز کو شعر کہا جاسکتا ہے جو کلام نہ ہو۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تکذیب کرنے والوں کو چیلنج دیا ہے کہ اس جیسی کلام پیش کرو، اگر قرآن حروف و کلمات پر مشتمل کلام نہیں تو چیلنج بالکل باطل ہے، کیونکہ چیلنج معلوم و معقول چیز کے متعلق ہوتا ہے تاکہ غیر معلوم و غیر معقول چیز کے متعلق۔

(۳) ﴿وَإِذَا تُلِّیٰ عَلَیْہِمْ آیَاتُنَا بَیِّنَاتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یُرِیْوْنَ لِقَاءَ نَا اَنْتَ بِقُرْآنٍ غَیْرِ ہٰذَا اَوْ بَدَّلَہٗ قُلُ مَا یَکُونُ لَیْ اَنْ اُبَدَّلَہٗ مِنْ تِلْکَآئِیْ نَفْسِیْ﴾ (یونس: ۱۵)

ترجمہ: (اور جب ان کے سامنے ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں، جو بالکل صاف صاف ہیں تو لوگ جن کو ہمارے پاس آنے کی امید نہیں ہے یوں کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لائیے یا اس میں کچھ ترمیم کر دیجئے آپ یوں کہہ دیجئے کہ مجھے یہ حق نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں ترمیم کر دوں)

اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ قرآن کفار پر تلاوت کیا جاتا تھا۔ جبکہ یہ بات مسلم ہے کہ تلاوت حروف و کلمات پر مشتمل کلام کی ہی ممکن ہے۔

(۴) ﴿بَلْ هُوَ آیَاتٌ بَیِّنَاتٌ فِیْ صُذُورِ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ (التکوین: ۴۹)

ترجمہ: (بلکہ یہ قرآن تو روشن واضح آیات ہیں، جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہیں)

﴿اِنَّہٗ لَقُرْآنٌ کَرِیْمٌ . فِیْ کِتَابٍ مَّکْنُونٍ . لَا یَمْسُہٗ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ﴾

ترجمہ: (بے شک یہ قرآن بہت بڑی عزت والا ہے۔ جو ایک محفوظ کتاب میں درج ہے۔ جسے صرف پاک لوگ ہی چھو سکتے ہیں) (الواقعة: ۷۷ تا ۷۹)

مذکورہ دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے متعلق خبر دی ہے کہ وہ اہل علم کے سینوں میں محفوظ اور لوح محفوظ میں مکتوب ہے۔ اور یہ بات بالکل واضح اور ظاہر ہے کہ حفظ اور کتابت، حروف و کلمات پر مشتمل کلام ہی کی ممکن ہے۔

= جبکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو ذکر اور قرآن میں کہا ہے۔ قرآن کے حروف اور کلمات پر مشتمل ہونے کے کتاب

وسنت اور اجماع کے دلائل کیلئے ”برہان فی بیان القرآن“ لابن قدامۃ: (ص: ۲۶ : ۸۳) کا مطالعہ کریں۔

(۵) رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [من قرأ القرآن فأعربه، فله بكل حرف منه عشر حسنات، ومن قرأه ولحن فيه فله بكل حرف حسنة] (حدیث صحیح) (۴۹)

ترجمہ: نبی ﷺ کا فرمان ہے: [جس نے بغیر غلطی کیے صحیح تلفظ کے ساتھ قرآن پڑھا اس کے لیے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں ہیں، اور جس نے غلطی کی اس کیلئے ہر حرف کے بدلے صرف ایک نیکی ہے] [مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے لیکن کسی کتاب کی طرف اس کی نسبت نہیں کی، مجھے بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ اس حدیث کو کس نے روایت کیا ہے۔ شارح]

(۶) ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کا قول:

”قرآن کو صحیح اور درست پڑھنا ہمیں اس کے حروف کے حفظ سے زیادہ پسند ہے“

(۷) علی رضی اللہ عنہ کا قول

”جس نے قرآن مجید کے ایک حرف کا انکار کیا گویا اس نے پورے قرآن کا انکار کیا۔

(۸) قرآن کی کسی ایک سورت، آیت، کلمہ اور حرف کے منکر کے کفر پر مسلمانوں کا اجماع۔ (۵۰) اسی طرح قرآن کی سورتوں کی تعداد (۱۱۴) ہے جن میں سے (۲۹) کی ابتداء حروف مقطعات سے ہوئی ہے، پر مسلمانوں کا اجماع۔ (سلف صالحین سے نقل کردہ مذکورہ اقوال میں بصراحت یہ بات موجود ہے کہ قرآن حکیم حروف پر مشتمل ہے)

اوصاف قرآن

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بہت سے عظیم اوصاف بیان فرمائے ہیں، ان میں سے مؤلف رحمہ اللہ نے درج ذیل اوصاف بیان کیے ہیں۔

(۱) ”کتاب اللہ المبين“، یعنی احکام و اخبار کو انتہائی وضاحت و صراحت سے بیان کرنے والی کتاب۔

(۴۹) پیچھے گزر چکا ہے کہ یہ حدیث غیر صحیح اور شدید ضعیف ہے۔ بیٹھی نے اس کی نسبت طبرانی اوسط کی طرف کی ہے۔

(۵۰) البرہان لابن قدامہ (۵۱: ۴۹) کا مطالعہ کریں، ابن قدامہ نے اس مسئلہ اور اس کے متعلق دیگر امور پر اجماع ذکر کیا ہے۔

(۲) ”حبل اللہ المتين“ (اللہ کی مضبوط رسی)

یعنی قرآن ایک مضبوط اور قوی سہارا ہے جسے تمام کرام اللہ تعالیٰ تک رسائی اور اخروی کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔

(۳) ”سور محکمات“ (محکم سورتیں) یعنی قرآن متعدد سورتوں پر مشتمل ہے، اس طرح کہ ہر سورت دوسری سے جدا ہے اور یہ سورتیں اپنے معانی و مطالب میں بالکل واضح ہیں اور تناقضات و ٹکائیں سے پاک ہیں۔

(۴) ”آیات بیّنات“ (واضح دلائل) یعنی قرآن اللہ تعالیٰ کی توحید، کمال صفات اور اس کی شریعت کی عمدگی پر واضح دلائل پر مشتمل کتاب ہے۔

(۵) قرآن میں محکم و متشابہ دونوں قسم کی آیات ہیں۔ محکم ان آیات کو کہتے ہیں جن کا معنی واضح ہو، اور متشابہ ان آیات کو جن کا معنی و مفہوم واضح نہ ہو۔

محکم و متشابہ کا یہ معنی ایک دوسرے کے مقابل ہونے کی وجہ سے ہے، ورنہ تناقضات سے پاک ہونے کے معنی میں تو متشابہ بھی محکم ہے، اس اعتبار سے تو پورا قرآن ہی محکم ہے۔

(۶) قرآن کتاب حق ہے باطل کسی بھی جہت سے اس کی طرف راہ نہیں پاسکتا ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ (فصلت: ۴۲)

ترجمہ: (جس کے پاس باطل پھٹک بھی نہیں سکتا نہ اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، یہ حکمتوں والے خوبیوں والے (اللہ) کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے)

(۷) قرآن شعر نہیں، جیسا کہ اس کی تکذیب کرنے والوں (کفار) نے اس پر شعر ہونے کا افتراء

باندھا ہے۔ ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشَّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ﴾

ترجمہ: (نہ تو ہم نے اس پیغمبر کو شعر سکھائے اور نہ یہ اس کے لائق ہے وہ تو صرف نصیحت اور واضح

قرآن ہے) (یس: ۶۹)

اسی طرح قرآن جادو بھی نہیں ہے جیسا کہ بعض مکذبین نے اس پر جادو ہونے کا افتراء باندھا ہے

﴿إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُؤْتَرٌ. إِنْ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾ (المدثر: ۲۴، ۲۵)

فصل

رؤية المؤمنين لربهم يوم القيامة

اہل ایمان کا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دیدار کرنے کا بیان

[۳۹] وَالْمُؤْمِنُونَ يَرُونَ رَبَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ بِأَبْصَارِهِمْ وَيُزَوَّرُونَ وَيُكَلِّمُهُمْ

وَيُكَلِّمُونَهُ ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى :

﴿ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاصِرَةٌ . إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ (القيامة: ۲۲، ۲۳)

وَقَالَ تَعَالَى : ﴿ كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَّحْجُوبُونَ ﴾ (المطففون: ۱۵)

ترجمہ: اہل ایمان آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور اسکی زیارت سے مشرف ہوں گے، اس سے گفتگو بھی کریں گے، اللہ تعالیٰ بھی ان سے گفتگو فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاصِرَةٌ . إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴾ (القيامة: ۲۲، ۲۳)

ترجمہ: (اس روز بہت سے چہرے تروتازہ اور بارونق ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھتے ہو گئے)

نیز فرمایا: ﴿ كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَّحْجُوبُونَ ﴾ (المطففون: ۱۵)

ترجمہ: (ہرگز نہیں یہ لوگ اس دن اپنے رب سے اوٹ میں رکھے جائیں گے)

[۴۰] فَلَمَّا حُجِبَ أُولَٰئِكَ فِي حَالِ السَّخَطِ ، دَلَّ عَلَىٰ أَنَّ الْمُؤْمِنِينَ يَرُونَهُ

فِي حَالِ الرِّضَى ، وَالْأَلَمَ يَكُنْ بَيْنَهُمَا فَرْقٌ .

ترجمہ: جب کفار اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب کے مستحق ہونے کی بنا پر اس کے دیدار سے

محروم ہوں گے تو ظاہر ہے کہ اہل ایمان اس کی رضا اور خوشنودی کے استحقاق کے پیش نظر اسکے

دیدار سے مشرف ہوں گے، ورنہ فریقین میں کوئی فرق ہی نہ رہا۔

ترجمہ: (اور کہنے لگے یہ تو صرف جادو ہے جو نقل کیا جاتا ہے، سوائے انسانی کلام کے کچھ بھی نہیں) اللہ تعالیٰ نے انہیں دھمکاتے ہوئے فرمایا:

﴿ سَأُضِلِّيهِ سَقَرَ ﴾ (المدثر: ۲۶)

ترجمہ: (میں عنقریب اسے دوزخ میں ڈالوں گا)

(۸) قرآن کتاب معجز ہے، کوئی بھی انسان اس جیسی کلام پیش نہیں کر سکتا، خواہ وہ اپنے تمام معادین

کے ساتھ مل جائے۔ ﴿ قُلْ لِّئِنْ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ

لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴾ (الاسراء: ۸۸)

ترجمہ: (کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور کل جنات مل کر اس قرآن کے مثل لانا چاہیں تو ان سب سے اس کے مثل لانا ناممکن ہے گو وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں)



[۴۱] وقال النبی ﷺ: [انکم ترون ربکم کما ترون هذا القمر

لاتضامون فی رؤیتہ] (متفق علیہ) (۵۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

ترجمہ: [بے شک تم (آخرت میں) اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح (دنیا میں) چاند کو دیکھتے ہو کہ تم اسے دیکھنے میں کوئی تکلیف نہیں دینے جاؤ گے]

[۴۲] وهذا تشبیہ للرؤية بالرؤية لا للمرئی بالمرئی، فان الله تعالى لا شبه له ولا نظیر.

ترجمہ: حدیث میں مذکور تشبیہ باعتبار رؤیت ہے، باعتبار مرئی نہیں، یعنی چاند کی رؤیت کو اللہ تعالیٰ کی رؤیت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے نہ کہ چاند کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شبیہ و نظیر نہیں ہے۔

..... شرح

آخرت میں دیدار الہی

دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ناممکن ہے، کیونکہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دیدار کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَنْ تَرَانِي﴾ (الاعراف: ۱۴۳)

ترجمہ: (تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے)

البتہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار کتاب و سنت اور اجماع سلف صالحین سے ثابت ہے۔

(۵۱) البخاری: کتاب مواقیب الصلوٰۃ: باب فضل صلوٰۃ الفجر: (۵۷۳)

مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلوٰۃ: باب فضل صلاتی الصبح والعصر والمحافظة علیہما (۶۳۳)

روایت باری تعالیٰ سے متعلق احادیث متواتر ہیں، ابن القیم (حادی الارواح: ص: ۲۷۷) ابن ابی العز (شرح

الطحاوی: ۲۱۵/۱) اور حافظ ابن حجر (فتح الباری: ۲۰۳/۱) نے اس کی صراحت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَجُودَ يَوْمَئِذٍ نَاصِرَةٌ. إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (القيامة: ۲۲، ۲۳)

ترجمہ: (اس روز بہت سے چہرے تروتازہ اور باروق ہوں گے۔ اپنے رب کی طرف دیکھتے

ہوں گے)

مزید فرمایا: ﴿كَأَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ﴾ (المطففون: ۱۵)

ترجمہ: (ہرگز نہیں یہ لوگ اس دن اپنے رب سے اوٹ میں رکھے جائیں گے)

فاجر قسم کے لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محروم ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ نیک لوگ اللہ تعالیٰ

کے دیدار سے فیض یاب ہوں گے، مگر نہ فریقین میں کوئی فرق نہیں رہتا۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

[انکم سترون ربکم کما ترون هذا القمر لاتضامون فی رؤیتہ] (متفق علیہ)

ترجمہ: [بے شک تم (آخرت میں) اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح (دنیا میں) چاند کو

دیکھتے ہو کہ تم اسے دیکھنے میں کوئی تکلیف نہیں دینے جاؤ گے]

اس حدیث میں تشبیہ دیکھنے کی دیکھنے کے ساتھ ہے نہ کہ دیکھے جانے والے (اللہ تعالیٰ) کی دیکھی

ہانے والی چیز (چاند) کے ساتھ۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے مثل، شبیہ اور نظیر کوئی چیز نہیں۔

سلف صالحین کا اتفاق ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار صرف اہل ایمان کو نصیب ہوگا، جبکہ کفار

اس سعادت سے محروم رہیں گے، اہل ایمان کو دیدار کی یہ سعادت قیامت کی مختلف گھاٹیوں اور جنت

میں داخلہ کے بعد حاصل ہوگی۔

اہل ایمان کا یہ دیکھنا حقیقی ہے، البتہ ہم کیفیت نہیں جانتے، جیسے اللہ تعالیٰ چاہے گا، اور جیسے اس کے

الائق ہوگا۔ (دیدار حاصل ہو جائے گا)

اور گمراہ فرقہ معطلہ (جو اللہ تعالیٰ کے دیدار کے منکر ہیں) اللہ تعالیٰ کی رؤیت سے مراد، اللہ تعالیٰ

کے ثواب کی رؤیت قرار دیتے ہیں، یا یہ تاویل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت سے مراد رؤیت علم و

یقین ہے۔

فصل

القضاء والقدر

[۴۳] ومن صفات الله تعالى انه الفاعل لما يريد ، لا يكون شيء الا بإرادته ، ولا يخرج شيء عن مشيئته ، وليس في العالم شيء يخرج عن تقديره ولا يصدر الا عن تدبيره ، ولا محيد عن القدر المقدور ، ولا يتجاوز ما خط في اللوح المسطور ، أراد ما العالم فاعلوه ، ولو عصمهم لما خالفوه ، ولو شاء ان يطيعوه جميعا لأطاعوه ، خلق الخلق وافعا لهم ، وقدر أرزاقهم وآجالهم ، بهدى من يشاء بحكمته ،

قال الله تعالى: ﴿لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ﴾ (الانباء: ۲۳)

قال الله تعالى: ﴿إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ (القدر: ۴۹)

وقال تعالى: ﴿وَخَلَقَ كُلُّ شَيْءٍ فَقْدَرَهُ تَقْدِيرًا﴾ (الفرقان: ۲)

وقال الله تعالى: ﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا﴾ (الحديد: ۲۲)

وقال الله تعالى: ﴿فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ

يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾ (الانعام: ۱۲۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی صفات میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ سب کچھ اپنے ارادے سے کرتا ہے۔ کوئی بھی چیز اسکے ارادے و مشیئت سے باہر نہیں ہے۔ کائنات کی ہر چیز اس کی تقدیر و تدبیر کے تحت ہے۔ اس کی لکھی ہوئی تقدیر سے کسی کیلئے کوئی جائے فرار نہیں ہے۔ لوح محفوظ میں اس کے لکھے سے کوئی تجاوز نہیں کر سکتا۔ جہان میں بسنے والے جو کچھ کر رہے ہیں، یہی اللہ کا ارادہ و مشیئت ہے۔ اگر اللہ انہیں بچانا چاہے تو یہ اس کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ اگر اس کی مشیئت

ان کی پہلی تاویل تو قاعدہ نمبر ۴ کی رو سے باطل ہے اور دوسری تاویل قاعدہ نمبر ۴ اور مزید اس سے باطل ہے کہ علم و یقین تو نیک لوگوں کو دنیا میں ہی حاصل ہے، اور کفار کو بھی آخرت میں حاصل ہو جائے گا۔ (۵۲)



ما الايمان؟ قال: [أن تؤمن بالله، وملائكته، وكتبه، ورسوله، واليوم الآخر،
والقدر خيره وشره. فقال جبريل: صدقت.] (رواه مسلم) (۵۳)

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جبریل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا:
ایمان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ، اس کے فرشتوں، اسکی کتابوں اور اس کے
رسولوں کیساتھ ایمان لے آئے، اور یوم آخرت اور تقدیر کیساتھ چاہے بھلی ہو یا بُری ایمان لے
آئے۔ جبریل علیہ السلام نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا۔

[۴۵] وقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم: [آمنت بالقدر خيره وشره وحلوه ومره] (۵۴)
ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [میں تقدیر پر ایمان لایا، چاہے بھلی ہو یا بُری، میٹھی ہو یا
کڑی۔]

[۴۶] ومن دعاء النبي صلی اللہ علیہ وسلم الذي علمه الحسن بن علي يد عوبه في
قوت الموت: [وقني شر ما قضيت] (۵۵)
ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نواسے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو قوت و تر کی جو دعا سکھائی
اکمیں یہ الفاظ بھی ہیں [اے اللہ تو نے جو فیصلہ کر دیا ہے اس کے شر سے مجھے بچا]

(۵۳) مسلم: کتاب الایمان: باب بیان الایمان والاسلام والاحسان: (۸) اس باب میں ابوہریرہ سے ایک حدیث،
بخاری (۵۰) اور مسلم (۹) میں بھی ہے۔

(۵۴) اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اسے حاکم نے معارف علوم الحدیث میں ذکر کیا ہے۔ اور اسی سند سے عراقی نے
شرح الفیہ الحدیث میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ اس کی سند میں یزید الرقاشی ہے، جو کہ ضعیف ہے۔ دیکھیے
التقریب (۷۶۸۳) امام نسائی نے اسے متروک اور امام احمد نے منکر الحدیث کہا ہے۔ دیکھیے المیزان: (۳/۳۱۸)
(۵۵) یہ حدیث صحیح ہے۔ احمد (۱۷۲۳) ابوداؤد (۱۳۲۶، ۱۳۲۵) ترمذی (۴۶۴) نسائی: (۳/۲۳۸) ابن ماجہ:
(۱۱۷۸) شیخ احمد شاکر نے اس حدیث کو سنن ترمذی پر اپنی تعلیق میں صحیح کہا ہے۔

فائدہ: شیخ صالح العثیمین (دروس وقاوی فی الحرم المکی، عام ۱۴۰۸ھ: ۱۳۶) دعائے قوت کی شرح کرتے
ہوئے "وقنی شر ما قضیت" کی شرح میں فرماتے ہیں: "اللہ تعالیٰ خیر کے فیصلے کرتا ہے اور شر کے بھی،
=

ہوتی کہ سب اس کی اطاعت کریں تو یقیناً سب اس کی اطاعت کرتے۔ اسی نے تمام مخلوق اور
انکے افعال کو پیدا فرمایا ہے۔ اسی نے مخلوق کے رزق و اجل کے متعلق تقدیر مقرر فرمائی ہے۔ اپنی
حکمت کے تحت جسے چاہتا ہے، ہدایت سے نوازتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ﴾ (الانبیاء: ۲۳)
ترجمہ: (وہ اپنے کاموں کیلئے) (کسی کے آگے) جواب دہ نہیں اور سب (اس کے آگے)
جواب دہ ہیں)

نیز فرمایا: ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ (القدر: ۴۹) ترجمہ: (بے شک ہم نے ہر چیز
کو ایک مقررہ اندازے پر پیدا کیا ہے)

نیز فرمایا: ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقْدَرَهُ تَقْدِيرًا﴾ (الفرقان: ۲)
ترجمہ: (اور ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرا دیا ہے)

نیز فرمایا: ﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّنْ
قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا﴾ (الحديد: ۲۲)

ترجمہ: (نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ (خاص) تمہاری جانوں میں، مگر اس سے پہلے
کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے)

نیز فرمایا: ﴿فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ
يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾ (الانعام: ۱۲۵)

ترجمہ: (سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ فرمالے اس کے سینہ کو اسلام کیلئے
کشادہ کر دیتا ہے، اور جس کو گمراہ کرنے کا ارادہ فرمالے، اس کے سینہ کو بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے کوئی
آسمان میں چڑھتا ہے)

[۴۴] ورری ابن عمر أن جبريل عليه السلام قال : للنبي صلی اللہ علیہ وسلم :

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[الایمان أن تؤمن بالله وملائکته، وکتابه، ورسوله، والیوم الآخر، والقدر

مشره وشره] (رواه مسلم وغیره)

ترجمہ: [ایمان یہ ہے کہ تو اللہ، اس کے فرشتوں، اسکی کتابوں اور اس کے رسولوں کیساتھ ایمان لے آئے، اور یوم آخرت اور تقدیر کیساتھ چاہے بھلی ہو یا بُری ایمان لے آئے۔

نیز فرمایا: [آمنت بالقدیر خیرہ وشرہ حلوه ومره]

ترجمہ: [میں تقدیر پر ایمان لایا، چاہے بھلی ہو یا بُری، مٹھی ہو یا کڑوی۔]

تقدیر کا خیر وشر ہونا باعتبار انجام کے ہے، اور اسکا میٹھا یا کڑوا ہونا اس سے واسطہ پڑنے کے اعتبار سے ہے۔

تقدیر کے خیر ہونے سے مراد اس کا نافع ہونا ہے اور تقدیر کے شر ہونے سے مراد اس کا ضرر رساں اور موزی ہونا ہے۔

تقدیر کا خیر وشر ہونا، مقدور اور اس کے انجام کار کی بہ نسبت ہے، اس لیے کہ بعض تقدیر خیر ہوتی ہے، مثلاً: نیکی کے کام، صحت اور غنی۔ اور بعض تقدیر شر ہوتی ہے، مثلاً: گناہ کے کام، بیماری اور فقر وغیرہ۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا فعل ہونے کی نسبت سے تقدیر شر نہیں ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو قنوت وتر کی جو دعا سکھائی ہے، اس میں یہ الفاظ بھی ہیں

[وقنی شر ما قضیت] (اے اللہ تو نے جو فیصلہ کر دیا ہے اس کے شر سے مجھے بچا)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کے فیصلہ فرمانے کی طرف نہیں کی بلکہ اس چیز کی طرف کی ہے جس کا اللہ تعالیٰ فیصلہ صادر فرمادے۔ (مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ فرمانا خیر محض ہے، البتہ بعض فیصلے بندوں کیلئے بظاہر شر ہو سکتے ہیں، لیکن ہمارا ایمان ہے کہ باعتبار انجام وہ فیصلے سراسر خیر ہی ہیں جن کی حکمتوں سے ہم وقتی طور پر آگاہ نہیں ہو پاتے)

ایمان بالقدر چار امور سے مکمل ہوتا ہے۔

الاول: یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم سابق کی بناء پر کائنات میں رونما ہونے والی ہر بات کا

..... شرح

مسئلہ تقدیر کا بیان

اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ (ہود: ۱۰۷)

ترجمہ: (تیرا رب جو کچھ ارادہ فرماتا ہے کر گزرتا ہے۔)

لہذا کوئی بھی چیز اس کے ارادے اور امر سے خارج نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی چیز اسکی تقدیر و تدبیر کے بغیر صادر ہوتی ہے۔ اسی کے ہاتھ میں آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے۔ اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے، اور اپنی حکمت سے جسے چاہتا ہے، گمراہ کرتا ہے۔ اسکی کمال حکمت اور کمال حکومت کی وجہ سے اس کے افعال کے متعلق اس سے سوال نہیں جاسکتا، البتہ مخلوق محکوم ہونے کی بناء پر لوگوں سے ان کے افعال کے متعلق سوال کیا جائیگا۔

تقدیر پر ایمان رکھنا واجب ہے، کیونکہ یہ ایمان کے چھ بنیادی ارکان میں سے ہے۔

= اس کا خیر کا فیصلہ کرنا، قضاء (فیصلہ) اور مقضی (وہ امور جن کا فیصلہ کیا گیا) دونوں کیلئے خیر محض ہے، مثلاً: اللہ تعالیٰ کا لوگوں کیلئے وسعتِ رزق، امن، طمانینت، ہدایت و نصرت..... کا فیصلہ کرنا۔ اب یہاں قضاء اور مقضی دونوں میں خیر ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا شر کے ساتھ فیصلہ کرنا، قضاء میں تو خیر ہے البتہ مقضی میں شر ہے۔ مثلاً: قحط، بارش کا رک جانا۔ اب یہ شر ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قضاء ہونے کے اعتبار سے خیر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (الروم: ۴۱) ترجمہ: (خشتی اور تری میں لوگوں کی بد اعمالیوں کے باعث فساد پھیل گیا۔ اس لیے کہ انہیں ان کے بعض کرتوتوں کا پھل اللہ تعالیٰ پکھادے، ممکن ہے کہ وہ باز آجائیں)

اس قسم کے قضاء کا انجام و غایت محمود ہوتا ہے، اور وہ ہے گناہوں سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف رجوع کرنا۔ اب یہاں مقضی تو شر ہے البتہ قضاء خیر ہے۔

ہم کہتے ہیں، ”شر ما قضیت“ میں ”ما“ اسم موصول ہے، عبارت کا معنی ہوگا ”مجھے اس شر جس کا تو نے فیصلہ فرمایا ہے بچالے“ [کیونکہ اللہ تعالیٰ کا شر کا فیصلہ فرمانا بھی اس کی حکمت اور حجت ہے]

اجمالاً و تفصیلاً رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الَّذِينَ يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ (الحج: ۷۰)

ترجمہ: (کیا آپ نے نہیں جانا کہ آسمان و زمین کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے۔ یہ سب لکھی ہوئی کتاب میں محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ پر تو یہ امر بالکل آسان ہے)

الثانی: یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی تقدیر لوح محفوظ میں لکھ رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا﴾ (الحديد: ۲۲)

ترجمہ: (نہ کوئی مصیبت دنیا میں آتی ہے نہ (خاص) تمہاری جانوں میں، مگر اس سے پہلے کہ ہم اس کو پیدا کریں وہ ایک خاص کتاب میں لکھی ہوئی ہے)

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [ان الله قدر مقادير الخلق قبل ان يخلق السموات والارض بخمسين الف سنة] (رواہ مسلم) (۵۶)

ترجمہ: [اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل مخلوق کی تقدیر مقرر فرمادی تھی]

الثالث: یہ عقیدہ رکھنا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ سے ہو رہا ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ و مشیت، رحمت پر مبنی ہے یا حکمت پر، وہ اپنی رحمت سے جسے چاہتا ہے ہدایت سے نوازتا ہے اور اپنی حکمت سے جسے چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے۔ اس کی کمال حکمت اور کمال حکومت کے پیش نظر اس سے اسکے افعال کے متعلق سوال نہیں کیا جاسکتا، جبکہ مخلوق سے اس کے افعال کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

(۵۶) مسلم: کتاب القدر: باب حجاج آدم وموسى عليهما السلام: (۲۶۵۳)، عن عبد الله بن

عمر بن العاص

کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس کے علم سابق، اور جو کچھ لوح محفوظ میں مکتوب ہے کے عین مطابق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ (القدر: ۴۹)

ترجمہ: (بے شک ہم نے ہر چیز کو ایک مقررہ انداز پر پیدا کیا ہے)

نیز فرمایا: ﴿فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾ (الانعام: ۱۲۵)

ترجمہ: (سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ فرمالے اس کے سینہ کو اسلام کیلئے کشادہ کر دیتا ہے، اور جس کو گمراہ کرنے کا ارادہ فرمالے، اسکے سینہ کو بہت تنگ کر دیتا ہے جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہے)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہے۔

الرابع: یہ عقیدہ رکھنا کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی چیز کا خالق ہے نہ رب۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِيرًا﴾ (الفرقان: ۲)

ترجمہ: (اور ہر چیز کو اس نے پیدا کر کے ایک مناسب اندازہ ٹھہرا دیا ہے)

نیز ابراہیم علیہ السلام سے کہلوا یا:

﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾ (الصافات: ۹۶)

ترجمہ: (حالانکہ تمہیں اور تمہارے ہر عمل کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے)

(ایمان بالقدر کے مذکورہ چاروں مراتب کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے اس بات پر ایمان لایا جائے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کو اس کے وقوع سے قبل جاننے والا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا علم سابق ہے، دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کے بارے میں اپنے اسی علم سابق کو لوح محفوظ میں لکھ دیا، تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اس کائنات کی ہر مخلوق اسی لکھے ہوئے کے مطابق عمل کر رہی ہے، چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ مخلوقات کا یہ عمل کرنا

اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ اور خلق و امر کے تابع ہے)

[۴۷] وَلَا نَجْعَلُ قِضَاءَ اللَّهِ وَقْدَ رَهْ حُجَّةٍ لَنَا فِي تَرْكِ أَوَامِرِهِ وَارْتِكَابِ نَوَاهِيهِ، بَلْ يَجِبُ أَنْ نُؤْمِنَ وَنَعْلَمَ أَنَّ لِلَّهِ عَلَيْنَا الْحُجَّةَ بِانْزَالِ الْكِتَابِ وَبَعْدِ الرِّسْلِ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَى:

﴿لِنَلَّا يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (النساء: ۱۶۵)

ترجمہ: ہم قضاء و قدر کو اللہ تعالیٰ کے اوامر کے ترک اور نواہی کے ارتکاب کیلئے حجت نہیں بناتے، ضروری ہے کہ ہم یہ ایمان لائیں اور اچھی طرح جان لیں کہ اللہ رب العزت کی ہم پر جو حجت ہے وہ انبیاء کرام کی بعثت اور ان پر کتابوں کے نزول کے ساتھ ہے (نہ کہ تقدیر میں لکھے ہوئے کے ساتھ)

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لِنَلَّا يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (النساء: ۱۶۵)

ترجمہ: (تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ پر نہ رہ جائے)

..... شرح
تقدیر گناہوں کیلئے حجت نہیں ہے

گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے کہ بندوں کے تمام افعال چاہے نیکیاں ہوں یا گناہ اللہ تعالیٰ کی خلق ہیں، لیکن یہ بات کسی گناہ گار کیلئے اپنے گناہوں پر حجت نہیں۔

اس بات کے دلائل

(۱) اللہ تعالیٰ نے بندے کے عمل کی نسبت بندے کے طرف بھی کی ہے اور عمل کو بندے کا کسب بھی قرار دیا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿الْيَوْمَ تُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ﴾ (غافر: ۱۷)

ترجمہ: (آج ہر نفس کو اس کی کرنی کا پھل دیا جائے گا)

اس بندوں کا کسب قرار دیکر ان کی طرف منسوب نہ کیا جاتا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا بندے کو بعض امور کا حکم دینا اور بعض امور سے منع کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ ان امور کو بجالانا اور منہیات سے اجتناب کرنا بندے کی استطاعت میں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کی استطاعت سے بڑھکر مکلف نہیں فرماتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة: ۲۸۶)

ترجمہ: (اور اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھکر تکلیف نہیں دیتا)

نیز فرمایا: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن: ۱۶)

ترجمہ: (پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو)

(اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو بقدر طاقت ڈرتے رہنے کا حکم دیا ہے، جس سے ثابت ہوا

کہ بندے مجبور علی العمل نہیں ہیں)

اگر وہ مجبور علی العمل ہوتے تو پھر بقدر استطاعت عمل کرنے یا نہ کرنے کا حکم چہ معنی دارد، کیونکہ مجبور علی العمل شخص عمل سے چھٹکارے کی کوئی استطاعت نہیں رکھ سکتا۔

(۳) ہر شخص عمل اختیاری اور عمل اجباری (جس پر کسی کو مجبور کیا جائے) کے فرق کو بخوبی جانتا ہے اور ہر شخص عمل اختیاری سے چھٹکارہ پانے کی طاقت رکھتا ہے۔

(۴) گناہ گار شخص ارتکاب گناہ سے قبل نہیں جانتا کہ اس کے مقدر میں کیا ہے جبکہ وہ استطاعت کے لحاظ نظر ارتکاب گناہ اور ترک گناہ دونوں کا اختیار رکھتا ہے تو یہ شخص غلط راہ پر ہی چل کر تقدیر مجہول سے کیوں حجت پکڑتا ہے، یوں کیوں نہیں کرتا کہ صحیح راہ پر چلے اور کہے یہی میرے مقدر میں تھا۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ اس نے لوگوں کی حجت ختم کرنے کیلئے رسولوں کو بھیجا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لِنَلَّا يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ (النساء: ۱۶۵)

ترجمہ: (تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے بعد اللہ پر نہ رہ جائے)

اگر اپنے افعال پر بندے کو کوئی اختیار نہ ہوتا اور ان افعال کو بجالانے کی کوئی قدرت نہ ہوتی تو (اپنے گناہوں کے بخیر یا شر) تقدیر حجت ہوتی تو وہ انبیاء کی بعثت کے

..... شرح

فعل عبد کے اللہ کی خلق اور

بندے کا کسب ہونے میں تطبیق

آپ گزشتہ سطور سے جان چکے ہیں کہ فعل عبد، اللہ کی خلق بھی ہے اور بندے کا کسب بھی، اور یہ کہ بندے کو اس کے اچھے کسب پر اچھی جزاء اور بُرے کسب پر بُرا بدلہ ملتا ہے۔ تو اس تعارض میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟

ان دونوں باتوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ فعل عبد کا اللہ کی خلق ہونا دو اعتبار سے ہے۔

اولاً: فعل عبد، عبد کی صفت ہے، جبکہ عبد اور اس کی صفات دونوں اللہ کی خلق ہیں۔

ثانیاً: بندے کا فعل اس کے ارادۂ قلب اور قوت بدن سے صادر ہوتا ہے، اگر بندے کے پاس یہ دونوں چیزیں نہ ہوں تو فعل سرزد نہیں ہو سکتا، اور یہ بات معلوم ہے کہ ان دونوں چیزوں کا خالق اللہ ہے، اور یہ قاعدہ بھی معروف ہے کہ ”خالق سبب ہی خالق مُسبب ہوتا ہے“ پس فعل عبد کی نسبت ”اللہ کی خلق“ ہونے کی طرف ایسے ہے جیسے مُسبب کی نسبت سبب کی طرف۔ فعل عبد کی نسبت اللہ کی خلق ہونے کی طرف نسبت مباشرت نہیں (یعنی یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بذات خود یہ فعل کیا ہے) کیونکہ فی الحقیقت اور فی الواقع اس فعل کا فاعل عبد ہے پس بندے کی طرف نسبت فعل کسباً و تھمیل سے، جبکہ اس فعل کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت خلقاً و تقدیراً ہے، یعنی دونوں نسبتوں کا الگ الگ اعتبار ہے۔

مسئلہ قضاء و قدر میں حق سے منحرف

لوگوں کا بیان اور ان کا رد

☆ **جبریہ:** ان کا کہنا ہے کہ بندہ اپنے افعال و اعمال میں مجبور محض ہے، اسے کوئی اختیار حاصل نہیں۔

ہم دو طریقوں سے ان کا رد کرتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے بندے کے فعل کی نسبت بندے کی طرف فرمائی ہے، اسے بندے کا کسب قرار

ذریعے کیسے ختم ہوتی؟ (جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنی حجت انبیاء و مرسلین کی بعثت کے ساتھ تمام فرمائی ہے)

[۴۸] وَنَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ مَا أَمْرُهُ وَنَهْيُهُ إِلَّا الْمُسْتَطِيعُ لِلْفِعْلِ وَالتَّرَكِ، وَأَنَّهُ لَمْ يَجْبِرْ أَحَدًا عَلَىٰ مَعْصِيَةٍ وَلَا اضْطَرَّهُ إِلَىٰ تَرْكِ طَاعَةٍ، قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة: ۲۸۶)

وَقَالَ تَعَالَىٰ: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن: ۱۶)

وَقَالَ تَعَالَىٰ: ﴿الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ﴾ (غافر: ۱۷)

ترجمہ: ہم یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کو حکم دیتا ہے اور روکتا ہے، فعل کے کرنے اور اس کے ترک کی استطاعت رکھتے ہیں، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو نہ معصیت پر مجبور کیا ہے اور نہ ہی نیکی کے کاموں کے ترک پر مجبور کیا ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة: ۲۸۶)

ترجمہ: (اور اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت تکلیف نہیں دیتا)

نیز فرمایا: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن: ۱۶)

ترجمہ: (پس جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو)

نیز فرمایا: ﴿الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ﴾ (غافر: ۱۷)

ترجمہ: (آج ہر نفس کو اس کی کمائی کا پھل دیا جائے گا آج (کسی قسم کا) ظلم نہیں)

[۴۹] فَدَلَّ عَلَىٰ أَنَّهُ لِلْعَبْدِ فِعْلًا وَكَسْبًا يَجْزَىٰ عَلَىٰ حَسَنِهِ بِالْثَوَابِ، وَعَلَىٰ

سَيِّئِهِ بِالْعِقَابِ، وَهُوَ وَاقِعٌ بِقَضَاءِ اللَّهِ وَقَدَرِهِ.

ترجمہ: مذکورہ آیت اس بات پر دال ہے کہ بندہ کا بھی کسب و فعل ہوتا ہے اور بندے کو اس کے

اچھے فعل پر ثواب ملتا ہے اور برے فعل پر سزا لیکن یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر سے ہوتا ہے

ہے، اور فعل کے اچھے یا بُرے ہونے کے اعتبار سے جزاء و سزا بھی رکھی ہے، اب اگر بندے کو اس کے فعل کے معاملہ میں مجبور محض مان لیا جائے تو فعل کی نسبت بندے کی طرف کرنا صحیح معلوم نہیں ہوتی، اور اس فعل پر سزا تو یقیناً ظلم متصور ہوگی۔

(۲) فعل اختیاری اور فعل اضطراری میں حقیقتاً حکما جو فرق ہے اسے ہر شخص جانتا ہے، اب اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص پر زیادتی کرے اور کہے کہ میں تو اللہ کی قضاء و قدر کی وجہ سے اس فعل پر مجبور تھا، تو یقیناً ایسا شخص بیوقوف اور بدیہی طور پر معقولیت کا مخالف سمجھا جائے گا۔

☆ **قد رییہ** : ان کا کہنا ہے کہ بندہ اپنے عمل میں مستقل ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے ارادے، قدرت اور خلق کا کوئی عمل دخل نہیں۔

ہم ان کا رد بھی دو طریقوں سے کرتے ہیں۔

(۱) یہ نظریہ اللہ تعالیٰ کے ان فرامین کے خلاف ہے۔

﴿اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ﴾ (الزمر: ۶۲) ترجمہ: (اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے)

﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾ (الصافات: ۹۶)

ترجمہ: (حالانکہ تمہیں اور تمہارے اعمال کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے)

(۲) اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کی ملک میں کوئی ایسی چیز ہو جو اس کے ارادے اور خلق سے خارج ہو۔

اللہ تعالیٰ کے ارادہ کی اقسام اور ان میں فرق

اللہ تعالیٰ کا ارادہ دو طرح کا ہے، کونیہ و شرعیہ

کونیہ : ارادہ کونیہ میں مشیئت کا معنی پایا جاتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا﴾ (الانعام: ۱۲۵)

ترجمہ: (سو جس شخص کو اللہ تعالیٰ راستہ پر ڈالنے کا ارادہ فرمالے اس کے سینہ کو اسلام کیلئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو بے راہ رکھنے کا ارادہ فرمالے اس کے سینہ کو بہت تنگ کر دیتا ہے)

ہے اور جس کو بے راہ رکھنے کا ارادہ فرمالے اس کے سینہ کو بہت تنگ کر دیتا ہے)

شرعیہ : ارادہ شرعیہ میں محبت کا معنی پایا جاتا ہے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ﴾ (النساء: ۲۷)

ترجمہ: (اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے)

ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ کونیہ لازماً واقع ہو کر رہتا ہے، اور یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ ارادہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بھی ہو۔ جبکہ ارادہ شرعیہ، اللہ تعالیٰ کا وہ ارادہ ہے جس کا وقوع ضروری نہیں لیکن اس کا اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہونا ضروری ہے۔ (مذکورہ، قرآن حکیم کی بطور مثال پیش کردہ دونوں آیات پر غور کیا جائے تو ارادہ کی دونوں قسمیں اور ان کا فرق واضح ہو جائے گا۔



[۵۲] وقال رسول الله ﷺ: [الایمان بضع وسبعون شعبة، أعلاها شهادة

لا إله إلا الله، وأدناها إماطة الأذى عن الطريق]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[ایمان کی ستر سے کچھ زائد شاخیں ہیں، سب سے اعلیٰ شاخ لا الہ الا اللہ کی شہادت دینا

ہے، اور سب سے ادنیٰ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے]

[۵۳] فجعل القول والعمل من الايمان،

ترجمہ: اس حدیث میں قول و عمل دونوں کو ایمان قرار دیا گیا ہے۔

وقال الله تعالى: ﴿فَرَا دَتَهُمْ اِيْمَانًا﴾ (التوبة: ۱۲۴)

وقال: ﴿لِيَزَادُوا اِيْمَانًا﴾ (الف: ۴)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَرَا دَتَهُمْ اِيْمَانًا﴾ (التوبة: ۱۲۴)

ترجمہ: (ان کے ایمان کو زیادہ کیا)

نیز فرمایا: ﴿لِيَزَادُوا اِيْمَانًا﴾ (الف: ۴)

ترجمہ: (تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں)

[۵۴] وقال رسول الله ﷺ: يخرج من النار من قال: لا إله إلا الله وفي

لله مثقال برة، أو خردلة، أو ذرة من الايمان [فجعلها متفاضلا .

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[جہنم سے ہر ایسا شخص نکل آئے گا جس نے (دنیا میں) لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اور اسکے دل

میں گندم کے دانے کے برابر یا رائی کے دانے کے برابر یا ذرہ کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ آپ ﷺ

نے اپنے اس فرمان میں لوگوں کے ایمان کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں کم و زیادہ قرار دیا ہے۔

فصل

الایمان - قول و عمل

ایمان قول و عمل کا نام ہے

[۵۰] والایمان قول باللسان، وعمل بالأركان، وعقد بالجنان، بيزيد

بالطاعة، وينقص بالعصيان .

ترجمہ: زبان سے اقرار کرنے، اعضاء کے ساتھ عمل کرنے اور دل میں پختہ یقین کرنے کا

نام ایمان ہے، ایمان نیکیوں سے بڑھتا ہے اور گناہوں سے کم ہوتا ہے۔

[۵۱] قال الله تعالى:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا

الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ﴾ (البينة: ۵)

فجعل عبادة الله تعالى وإخلاص القلب وإقامة الصلاة وإيتاء الزكاة كله

من الدين .

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ

وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ﴾ (البينة: ۵)

ترجمہ: (انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کیلئے دین کو

خالص رکھیں، ابراہیم حنیف کے دین پر اور نماز کو قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں یہی ہے دین

سیدھی ملت کا)

اس آیت میں اللہ کی عبادت، اخلاص قلب، اقامت صلاۃ اور ادائیگی زکاۃ کو دین قرار دیا

گیا ہے۔

..... شرح

ایمان: ایمان کا لغوی معنی تصدیق کرنا ہے۔ جبکہ اہل علم کی اصطلاح میں زبان سے اقرار کرنے، اعضاء سے عمل کرنے اور دل میں پختہ یقین رکھنے کا نام ایمان ہے۔

اقرار کی مثال: لا الہ الا اللہ، عمل کی مثال: رکوع وغیرہ، دل کے پختہ یقین کی مثال: اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ ایمان لانا۔ ایمان کی اس حقیقت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَمَا أَمْرُو إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ خُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ﴾ (البقرة: ۵)

ترجمہ: (انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کیلئے دین کو خالص رکھیں۔ ابراہیم حنیف کے دین پر اور نماز کو قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں یہی ہے دین سیدھی ملت کا) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اخلاص نیت، نماز اور زکوٰۃ کو دین قرار دیا ہے۔ (واضح ہو کہ شرعی طور پر دین، اسلام اور ایمان ایسی اصطلاحات ہیں جو ایک دوسرے کی جگہ مستعمل ہوتی ہیں)۔
 نیز رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان بھی ایمان کی اس حقیقت کی دلیل ہے:

[الایمان بضع وسبعون شعبة، أعلاها شهادة أن لا إله إلا الله، وأدناها إمالة الأذى عن الطريق] (رواہ مسلم)

ترجمہ: [ایمان کی ستر سے کچھ زائد شاخیں ہیں، سب سے اعلیٰ لا الہ الا اللہ کی شہادت دینا ہے، اور سب سے ادنیٰ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے] (۵۷)

ایمان نیکی سے بڑھتا اور معصیت سے کم ہوتا ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿فَزَادَ هُمْ إِيمَانًا﴾ (آل عمران: ۱۷۴) ترجمہ: (ان کے ایمان کو زیادہ کیا)

(۵۷) مسلم: کتاب الایمان: باب بیان عدد شعب الایمان و افضلها و ادناها (۳۵)، عن ابی ہریرہ
 یہ حدیث بخاری میں مختصراً ہے، کتاب الایمان: باب امور الایمان: (۹) بخاری کے الفاظ یہ ہیں: [الایمان بضع وستون شعبة والحياء شعبة من الایمان] ترجمہ: [ایمان کی ساٹھ سے زائد شاخیں ہیں، اور حیاء ایمان کی ایک شاخ ہے۔

عقائد سلف صالحین

129

نیز فرمایا: ﴿لِيَزَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ﴾ (الفتح: ۴)

ترجمہ: (تاکہ اپنے ایمان کے ساتھ ہی ساتھ اور بھی ایمان میں بڑھ جائیں)

نبی ﷺ کا یہ فرمان بھی ایمان کے کم و بیش ہونے کی دلیل ہے:

[يُخْرِجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَفِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ بَرَةٍ، أَوْ خِرْدَلَةٌ، أَوْ ذَرَّةٌ مِنَ الْإِيمَانِ] فجعله متفاضلاً.

ترجمہ: [جہنم سے ہر ایسا شخص نکل آئے گا جس نے (دنیا میں) لا الہ الا اللہ کا اقرار کیا اور اسکے دل

میں گندم کے دانے کے برابر یاری کے دانے کے برابر یا ذرہ کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ (۵۸)

آپ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں لوگوں کے ایمان کو ایک دوسرے کے مقابلہ میں کم و زیادہ قرار دیا ہے]

اس حدیث میں مقدار کے اعتبار سے ایمان کے مراتب بیان ہوئے ہیں، تو جب ایمان میں زیادت (بڑھنا) ثابت ہوگئی تو کمی خود بخود ثابت ہوگئی، کیونکہ ثبوت زیادت کا لازمی نتیجہ ہے کہ مزید علیہ (جس میں اضافہ ہوا ہے) زائد سے کم ہوگا۔

(۵۸) البخاری: کتاب الایمان: باب زیادة الایمان ونقصانه (۴۳)

مسلم: کتاب الایمان: باب ادنى اهل الجنة منزلة: (۱۳۳) <https://abduallahsirremani.wordpress.com/>

فصل

الایمان بكل ما أخبر به الرسول

رسول اللہ ﷺ نے جن امورِ غیب کی خبر دی ہے ان پر ایمان لانے کا بیان

[۵۵] ویجب الایمان بكل ما أخبر به النبی ﷺ و صح به النقل عنه فیما شاهدناه أو غاب عنا ، نعلم أنه حق وصدق ، وسواء فی ذلك ما عقلناه و جهلناه ، ولم نطلع علی حقیقة معناه ، مثل حدیث الاسراء والمعراج (۵۹) و كان یقظة لامنا ما ، فان قریشا أنكرته وأكبرته ، ولم تنكر المنامات .

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ سے بسند صحیح جو خبریں منقول ہیں خواہ ہمارے مشاہدہ میں آئی ہوں یا نہ آئی ہوں ان پر ایمان لانا اور ان کی تصدیق کرنا واجب ہے، ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ خبریں مبنی برحق ہیں، چاہے ہمارے عقل میں آئیں یا نہ آئیں اور چاہے ہم ان کے معنی کی حقیقت سے مطلع نہ ہو سکیں۔

مثلاً: اسراء و معراج کا واقعہ، جو کہ حالتِ بیداری میں پیش آیا تھا، یہ کوئی خواب نہ تھا، کیونکہ کفار مکہ نے محال اور ناممکن سمجھ کر اس کا انکار کر دیا تھا، جبکہ خواب میں تو کچھ بھی محال و ناممکن نہیں۔ (لہذا ان کے انکار کا کیا معنی؟)

[۵۶] ومن ذلك أن ملك الموت لما جاء إلى موسى عليه السلام ليقبض روحه لطمه ففقأ عينه ، فرجع إلى ربه فرد عليه عينه .

ترجمہ: انہی امورِ غیب میں یہ واقعہ بھی ہے کہ ملک الموت جب موسیٰ علیہ السلام کی روح قبض کرنے کیلئے آئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ایسا طمانچہ رسید کیا کہ جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی، ملک الموت نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے آنکھ لوٹادی۔

..... شرح

السمعیات: جو باتیں بطریق سمیع یعنی بطریق شریعت (کتاب و سنت) ثابت ہوں اور ان کے اثبات میں عقل کا کوئی دخل نہ ہو، سمعیات کہلاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ تمام خبریں برحق ہیں، ان کی تصدیق کرنا ہم پر واجب ہے خواہ ہم نے اپنے حواس سے انہیں معلوم و محسوس کر لیا ہو یا نہ، اور خواہ ہم نے اپنی عقل سے ان کا ادراک کر لیا ہو یا نہ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿انا ارسلک بالحق بشیرا و نذیرا ولا تسئل عن اصحاب الجحیم﴾
ترجمہ: (ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور جہنمیوں کے بارہ میں آپ سے پُرسش نہیں ہوگی) (البقرہ: ۱۱۹)
مؤلف رحمہ اللہ نے سمعیات کے تحت ان امور کو ذکر کیا ہے:

(۱) الاسراء والمعراج

الاسراء کا لغوی معنی کسی کورات میں سفر کرنا یا رات میں سفر کرنا ہے۔ جبکہ شریعت میں اسراء سے مراد ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نبی ﷺ کو رات کے ایک حصہ میں مکہ سے بیت المقدس تک لے گئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿سبحان الذی اسری بعبده لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی﴾ (الاسراء: ۱)

ترجمہ: (پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا)

معراج، لغت میں بلندی کی طرف چڑھنے کے آلہ کو کہتے ہیں، یعنی سیڑھی وغیرہ۔ جبکہ شریعت میں اس سے مراد وہ سیڑھی ہے جس کے ذریعے نبی ﷺ کو زمین سے آسمانوں تک لے جایا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿والنجم اذا هوی﴾ . ماضل صاحبکم وما غوی ﴿ الی

قوله: ﴿لقد رأى من آيات ربه الكبرى﴾ (النجم: ۱۸ تا)

ترجمہ: (قسم ہے ستارہ کی جب وہ گرے۔ کہ تمہارے ساتھی نے نہ راہ گم کی ہے نہ وہ ٹیڑھی راہ ہے۔ اور نہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔ اسے پوری طاقت والے فرشتے نے سکھایا ہے۔ جو زور آور ہے پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اور وہ بلند آسمان کے کناروں پر تھا۔ پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا۔ پس وہ دو کمانوں کے بقدر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ پس اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو بھی پہنچائی۔ دل نے جھوٹ نہیں کہا جسے (پیغمبر نے) دیکھا۔ کیا تم جھگڑتے ہو اس پر جو (پیغمبر) دیکھتے ہیں۔ اسے تو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا۔ سدرۃ المنتہی کے پاس۔ اسی کے پاس جنت المادوی ہے۔ جبکہ سدرہ کو چھپائے لیتی تھی وہ چیز جو چھارہ ہی تھی۔ نہ تو نگاہ بکنی نہ حد سے بڑھی۔ یقیناً اس نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بعض نشانیاں دیکھ لیں)

یہ دونوں سفر ایک ہی رات میں وقوع پذیر ہوئے ہیں، البتہ رات کی تعیین میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہما کی رائے میں یہ واقعہ پیر کی رات بارہ ربیع الاول کو وقوع پذیر ہوا (ابن ابی شیبہ، سند منقطع ہے) لیکن انہوں نے سال کی تعیین نہیں کی۔ جبکہ زہری اور عروہ رحمہما اللہ سے مروی ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال قبل رونما ہوا ہے (بیہقی) لیکن انہوں نے رات کی تعیین نہیں کی، البتہ ان کے قول کی رو سے مہینہ ربیع الاول ہی بنتا ہے۔

ابن سعد، نووی وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے۔ سدی کی رائے میں یہ واقعہ ہجرت سے چھ ماہ قبل کا ہے (حاکم) اس قول کی رو سے ذیقعد کا مہینہ بنتا ہے۔ ہجرت سے تین سال قبل، پانچ سال قبل اور چھ سال قبل کے اقوال بھی ملتے ہیں۔

واقعہ اسراء و معراج عالم بیداری میں ہوا ہے، یہ کوئی خواب نہیں تھا، اس کی دلیل یہ ہے کہ قریش نے ناممکن سمجھتے ہوئے اس کا انکار کر دیا، اگر آپ ﷺ اسے اپنا خواب بتاتے تو وہ انکار نہ کرتے، کیونکہ خواب کا انکار تو کوئی بھی نہیں کرتا۔

مختصر واقعہ اسراء و معراج یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی ﷺ کو براق پر سوار کر کے بیت المقدس لے گئے، پھر وہاں سے آپ ﷺ کو فرائض و اساتوہ آسمانوں میں لے جایا گیا۔

ساتوں آسمانوں کے اوپر اس مقام تک پہنچا دیا گیا کہ آپ ﷺ نے قلموں کے چلنے کی آواز سن لی۔ اس سفر میں آپ ﷺ پر پانچ نمازیں فرض کی گئیں، آپ ﷺ نے جنت اور جہنم کو دیکھا، انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی اور آپ ﷺ نے انہیں امامت کرائی، اسی رات آپ ﷺ واپس مکہ لوٹ آئے، جب آپ ﷺ نے لوگوں کو اس کے متعلق بتایا تو کفار نے آپ ﷺ کی تکذیب کی جبکہ مؤمنوں نے تصدیق کی، البتہ کچھ لوگوں نے تردد کی راہ اختیار کی۔

(۲) ملک الموت کا موسیٰ علیہ السلام کے پاس آنا

ملک الموت علیہ السلام انسانی شکل میں موسیٰ علیہ السلام کی روح قبض کرنے کیلئے ان کے پاس آئے تو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں طمانچہ رسید کر دیا جس سے اسکی آنکھ پھوٹ گئی، ملک الموت نے جا کر اللہ تعالیٰ سے کہا: اے اللہ تو نے مجھے جس بندے کی طرف بھیجا ہے وہ تو مرنا نہیں چاہتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی آنکھ لوٹا دی اور فرمایا: تم اس کے پاس واپس جاؤ اور اسے کہو کہ اپنا ہاتھ کسی بیل کی پیٹھ پر رکھو ہاتھ کے نیچے جتنے بال ہونگے ہر بال کے بدلے ایک سال مزید آپ کو عمر مل جائے گی۔ (فرشتے نے جب آکر موسیٰ علیہ السلام سے یہ بات کہی) تو موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا پھر کیا ہوگا؟ فرشتے نے کہا: پھر موت۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا پھر ابھی ہی قبول ہے۔ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: اے اللہ مجھے ایک پتھر پھینکنے کی مسافت کے بقدر ارض مقدس کے قریب کر دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں وہاں ہوتا تو تمہیں موسیٰ علیہ السلام کی قبر دکھاتا جو کہ راستے کی ایک جانب سرخ ٹیلے کے پاس ہے۔ (بخاری و مسلم) (۶۰)

مؤلف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو عقیدہ کے باب میں اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ بعض مبتدعین یہ کہہ کر اس حدیث کو رد کر دیتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے حق میں یہ بات ممتنع ہے کہ وہ فرشتے کو طمانچہ ماریں۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ فرشتہ کیونکہ انسانی شکل میں ان کی جان نکالنے آیا تھا، موسیٰ علیہ السلام نے بشری تقاضے کے تحت یہ سوچ کر کہ یہ کون ہوتا ہے میری جان لینے والا، اپنے دفاع میں ہاتھ اٹھایا، (اور اتفاقاً

(۶۰) البخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب وفات موسیٰ و ذکرہ بعد: (۳۷۰)

مسلم: کتاب الفضائل: باب فضائل موسیٰ: (۲۳۷۲)

آنکھ پھوٹ گئی) اگر موسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ فرشتہ ہے تو یقیناً طمانچہ نہ مارتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہی فرشتہ جب دوبارہ آیا اور ایسی بات کہی جو اسکے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے پر دلالت کر رہی تھی اور وہ بات یہ تھی کہ فرشتے نے انہیں بیل کی پشت پر ہاتھ رکھنے کی صورت میں ہاتھ کے نیچے آنے والے بالوں کی بقدر سالوں کی زندگی کی مہلت دی تھی تو موسیٰ علیہ السلام نے مکمل اطاعت کا مظاہرہ کیا۔ (۶۱)

[۵۷] ومن ذلک اشراط الساعة: مثل خروج الدجال، ونزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام فیقتلہ۔ وخروج یاجوج ومأجوج، وخروج الدابة، وطلوع الشمس من مغربها، وأشباه ذلک مما صح به النقل. (۶۲)

ترجمہ: اور انہی امور غیب میں سے اشراط الساعۃ (علامات قیامت) بھی ہیں، مثلاً: دجال کا ظاہر ہونا، عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا اور دجال کو قتل کرنا، یاجوج و ماجوج کا نکلنا، دابۃ الارض کا نکلنا سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور اس قسم کی دیگر علامات جو صحیح سند سے ثابت ہیں۔

(۶۱) ابن حبان اپنی صحیح میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی مخلوق کیلئے معلوم ہمارا بھیجا ہے۔ اور ان کے ذریعے سے اپنی مراد بندوں تک پہنچائی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچایا اور اسکی آیات کے معانی و مفہوم کو مجمل اور مفصل الفاظ کے ساتھ بیان کیا، سب صحابہ یا بعض نے آپ ﷺ سے ان معانی و مطالب کو سمجھ لیا۔ مذکورہ خبر کے معنی و مفہوم کو ان لوگوں نے سمجھ لیا ہے جو حق پانے کی توفیق سے محروم نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف آزمائش اور ابتلاء کے طور پر بھیجا اور اسے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام سے کہو ”اپنے رب کے پاس جانے کیلئے تیار ہو جاؤ“ یہ امر بطور ابتلاء و آزمائش کے تھا نہ کہ حتیٰ اور لازمی امر کے طور پر، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم حتیٰ اور لازمی طور پر بطور آزمائش و ابتلاء کے دیا تھا، چنانچہ جب ابراہیم علیہ السلام بیٹے کو ذبح کرنے کیلئے تیار ہو گئے اور اسے ذبح کرنے کیلئے پیشانی کے بل لٹا دیا تو اللہ تعالیٰ نے فدیہ کے طور پر ایک مینڈھا بھیج دیا۔ اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی طرف ملائکہ کو انہائی صورتوں میں بھیجا ہے، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام پر فرشتے داخل ہوئے اور ابراہیم علیہ السلام نہ جان سکے کہ یہ فرشتے ہیں اور ان سے ڈر محسوس کرنے لگے، اسی طرح جبرائیل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے اور اسلام، ایمان اور احسان کے متعلق سوالات کیے، اور آپ ﷺ انہیں نہ پہچان سکے، انکے چلے جانے کے بعد آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ یہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔

..... شرح

(۳) اشراط الساعة (علامات قیامت)

اشراط، شرط کی جمع ہے اس کا لغوی معنی علامت ہے۔ اور الساعۃ کا لغوی معنی مطلق وقت ہے یا وقت حاضر ہے۔ یہاں الساعۃ سے مراد قیامت ہے۔ بہر حال اشراط الساعۃ قرب قیامت پر دلالت کرنے والی علامات کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَإِن يَنْظُرُوا إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا﴾ (محمد: ۱۸)
ترجمہ: (تو کیا یہ قیامت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ ان کے پاس اچانک آجائے یقیناً اس کی علامتیں تو آچکی ہیں)

= اسی طرح ملک الموت بھی موسیٰ علیہ السلام کے پاس ایسی صورت میں آئے جس صورت میں وہ انہیں نہیں جانتے تھے، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام ایک غیور شخص تھے اس لیے جب انہوں نے ایک اجنبی شخص کو اپنے گھر میں دیکھا تو اسے طمانچہ مار دیا، طمانچہ سے ان کی آنکھ پھوٹ گئی یہ آنکھ جبرئیل کی اصلی صورت کی تھی، بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جس صورت میں آئے تھے وہ تھی۔ یہ بات ثابت ہے کہ انبیاء کرام کی شریعتوں کے بعض احکام ایک جیسے ہیں، چنانچہ ہماری شریعت میں ہے، کہ اگر کوئی کسی کے گھر میں جھانکے اور گھر والا کوئی چیز اٹھا کر اسے مار دے جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے تو گھر والے کے ذمہ کوئی جرم نہیں ہوگا، لہذا موسیٰ علیہ السلام کا طمانچہ مارنا ان کیلئے جائز تھا، اور وہ اس سے کسی جرم کے مرتکب نہیں ہوئے۔ ملک الموت جب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ گئے اور اس معاملے کی خبر دی تو اللہ تعالیٰ نے ایک اور حکم بطور ابتلاء و آزمائش کے دیکر دوبارہ بھیجا، وہ حکم یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام سے کہو: اگر آپ چاہیں تو اپنے ہاتھ کو کسی بیل کی پشت پر رکھ دیں، آپ کے ہاتھ کے نیچے آنے والے بالوں میں سے ہر ایک بال کے بدلے آپ کو ایک سال مزید عمر مل جائے گی۔ ملک الموت نے جب یہ حکم موسیٰ علیہ السلام تک پہنچایا تو وہ جان گئے کہ یہ تو ملک الموت ہے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام لیکر آیا ہے، چنانچہ انہوں نے فوراً موت کو قبول کر لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر پہلی مرتبہ موسیٰ علیہ السلام جان لیتے کہ یہ ملک الموت ہیں تو وہ معاملہ نہ کرتے جو انہوں نے پہلی مرتبہ کیا۔ ہماری اس تقریر میں ان لوگوں کا رد ہے جو محدثین کو ”حمالة الحطب“ (کڑیاں جمع کرنے والے) اور ”رعاة اللیل“ (رات میں بکریاں چرانے والے) جیسے القاب سے پکارتے ہیں اور انکے متعلق کہتے ہیں کہ یہ بے فائدہ چیزیں جمع کرتے ہیں جس پر انہیں کوئی اجر نہیں ملے گا۔ یہ لوگ محدثین کے متعلق ایسی باتیں اس لیے کرتے ہیں کہ یہ لوگ احادیث و اخبار کے معانی و مطالب سے جاہل ہیں اور آثار کے متعلق بے بالکل کورے ہیں، اور صرف اپنی باطل رائے اور قیاس پر اعتماد کرتے ہیں۔ =

مؤلف رحمہ اللہ نے علامات قیامت میں سے مندرجہ ذیل چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

☆ خروج الدجال (دجال کا نکلنا)

”دجال“ لغوی اعتبار سے دجل سے ماخوذ ہے اور مبالغہ کا صیغہ ہے اور دجل کا معنی جھوٹ، مکاری اور فریب ہے۔ شریعت کی رو سے دجال ایک انتہائی جھوٹا، مکار اور فریبی شخص ہے جو آخری زمانے میں آئے گا اور ربوبیت کا دعویٰ کرے گا۔ دجال کا خروج سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

سنت سے دلیل: آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو دعا سکھلاتے ہوئے فرمایا:

[قولوا اللہم انی أعوذ بک من عذاب جہنم وأعوذ بک من عذاب القبر وأعوذ بک من فتنۃ المسیح الدجال وأعوذ بک من فتنۃ المحب والممات] (مسلم) (۶۳)

ترجمہ: [اے اللہ میں عذاب جہنم سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اے اللہ میں عذاب قبر سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اے اللہ میں مسیح دجال کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں اور اے اللہ میں زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں]

نیز آپ ﷺ خود بھی نماز میں دجال کے فتنے سے پناہ طلب کیا کرتے تھے۔ (متفق علیہ) (۶۴)

اجماع: تمام مسلمانوں کا دجال کے خروج پر اجماع ثابت ہے۔

دجال کا قصہ:

دجال کا مختصر قصہ یہ ہے کہ دجال شام و عراق کے مابین راستے سے نکلے گا، اور لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دے گا، اس کے پیروکاروں کی اکثریت یہودیوں، عورتوں اور دیہاتیوں پر مشتمل ہوگی، اصفہان

= (۶۲) اس سلسلہ میں مزید وضاحت کیلئے، النہایۃ لابن کثیر اور الاذنیۃ لصدیق حسن خان کا مطالعہ کریں۔

(۶۳) مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ: باب ما يستعاذ منه فی الصلوٰۃ: (۵۹۰)

(۶۴) البخاری: کتاب الاذان: باب الدعاء قبل السلام: (۸۳۲)

مسلم: کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ: باب ما يستعاذ منه فی الصلوٰۃ: (۵۸۹) اس باب میں

ابو ہریرہ کی ایک حدیث مسلم (۵۸۸) میں بھی ہے۔

کے ستر ہزار یہودی اس کے پیروکاروں میں شامل ہوں گے، جس طرح ہوائیں بارش کا پیچھا کرتی ہیں اسی طرح دجال بھی پوری زمین میں گھومے پھرے گا۔ البتہ مکہ اور مدینہ میں اس کا داخلہ ممنوع ہوگا، فرشتے اسے مکہ و مدینہ میں داخل ہونے سے روک دیں گے۔

اس کے زمین میں رہنے کی مدت چالیس دن ہوگی، پہلا دن ایک سال جتنا طویل ہوگا، جبکہ دوسرا دن ایک ماہ اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا اور باقی ایام حسب معمول ہوں گے۔ یہ کانا ہوگا، اور اس کی پیشانی پرک، ف، رکھا ہوگا، جسے صرف مؤمن ہی پڑھ سکے گا۔

یہ بہت بڑا فتنہ (آزمائش) ہوگا، آسمانوں کو بارش برسانے کا حکم دے گا تو آسمان بارش برسانے گا، زمین کو اناج وغیرہ اگانے کا حکم دے گا تو زمین اگانا شروع کر دے گی، اس کے پاس جنت اور جہنم بھی ہوگی، لیکن اس کی جنت درحقیقت جہنم ہوگی اور جہنم درحقیقت جنت ہوگی۔

رسول اللہ ﷺ نے امت کو اس سے ڈرایا اور خبردار کیا ہے۔

فرمان نبوی ﷺ ہے: [من سمع به فليأمنه ومن أدركه فليقرأ عليه فواتح سورة الكهف أو بفواتح سورة الكهف] (۶۵)

ترجمہ: [جو شخص دجال کے خروج کا سن لے وہ اس سے دور ہی رہے اور جو دجال کو پالے وہ اس پر سورة الكهف کی ابتدائی (دس) آیات پڑھے]



☆ نزول عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

نزول عیسیٰ علیہ السلام بھی کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

قرآن سے دلیل: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ (النساء: ۱۵۹)

ترجمہ: (اہل کتاب میں سے ایک بھی ایسا نہ بنے گا جو عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان

نہ لائے)

(۶۵) مزید وضاحت کیلئے، حدیث نواس بن سمان رحمہ اللہ، مسلم: کتاب الفتن: باب ذکر الدجال وصفہ (۲۹۳۷)

یہ عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد کی بات ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی بات منقول ہے (بخاری)

سنت سے دلیل: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[واللہ لینزلن عیسیٰ ابن مریم حکماً وعد لا] (متفق علیہ) (۶۶)

ترجمہ: [اللہ کی قسم عیسیٰ علیہ السلام ضرور حاکم اور عادل بن کر نازل ہوں گے]

اجماع امت سے دلیل: مسلمانوں کا عقیدہ نزول عیسیٰ پر اتفاق ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے پروں کا سہارا لیتے ہوئے دمشق کی مشرقی جانب المنارة البیضاء اتریں گے، عیسیٰ ﷺ کی سانس کی ہوا تاحد نگاہ پھیلی ہوئی ہوگی، جو کہ فر بھی اس ہوا کو سونگھ لے گا وہ اسی لمحے مر جائے گا، عیسیٰ ﷺ دجال کا پیچھا کریں گے حتیٰ کہ اسے باب لد پر پکڑ لیں گے اور قتل کر دیں گے اور صلیب توڑ دیں گے، جزیہ موقوف کر دیں گے، حتیٰ کہ روئے زمین پر صرف اللہ تعالیٰ کیلئے بہار ہوگا، عیسیٰ ﷺ حج و عمرہ بھی کریں گے۔ (مسلم، بعض باتیں بخاری میں بھی ہیں) (۶۷)

مسند احمد اور ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ قتل دجال کے بعد عیسیٰ ﷺ چالیس سال تک حیات رہیں گے، پھر ان کی وفات ہوگی اور مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ (۶۸)

(۶۶) البخاری: کتاب البیوع، باب قتل السخنیزیر: (۲۲۲۲) کتاب الانبیاء: باب نزول عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

(۳۲۴۸) مسلم: کتاب الایمان: باب نزول عیسیٰ بن مریم حاکماً بشریعة نبینا محمد (ﷺ) (۱۵۵)

(۶۷) مزید وضاحت کیلئے دیکھیے حدیث نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ، مسلم: کتاب الفتن: باب ذکر الدجال و صفہ

(۲۹۳۷) البتہ [ویکسر الصلیب یضع الجزیة وتكون السجدة واحدة لله رب العالمین] کے الفاظ صحیح بخاری (۳۲۴۸) مسلم (۱۵۵) میں بھی ہیں۔ بخاری و مسلم میں یہ الفاظ بھی ہیں: [..... حتی تكون السجدة

الواحدة خیر امن الدنیا وما فیہا] [یعنی اس وقت ایک سجدہ دنیا و ما فیہا سے بہتر ہوگا]

شیخ کے ذکر کردہ الفاظ کی حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۴۹۲/۶) میں ابن مردویہ کی طرف نسبت کی ہے۔ "و یصح

و یعتمر" کے الفاظ مسلم میں ابوہریرہ کی حدیث سے ہیں، کتاب الحج: باب احلال النبی ﷺ و ہدیہ (۱۲۵۲)

(۶۸) یہ حدیث صحیح ہے احمد (۹۲۵۹) ابوداؤد (۳۲۲۳) ابن حبان (۲۷۷/۸) حاکم (۵۹۵/۲) حاکم نے صحیح کا ہے

اور ڈھمی نے موافقت کی ہے) ابن ابی شیبہ (۱۵۸/۱۵) ابن جریر (۳۸۸/۹) عن ابی ہریرہ۔ شیخ احمد شاکر نے مسند

احمد پر اپنی تعلیق میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے کہ عیسیٰ ﷺ کو نبی ﷺ کے پہلو میں دفن کیا جائے گا۔ (۶۹)

☆ یأجوج و مأجوج

یہ دونوں عربی یا عجمی اسم ہیں (عربی ہونے کی صورت میں) المأج سے مشتق ہیں، جس کا معنی الاضطراب (متحرک ہونا، جوش مارنا) ہے یا من اجیج النار و تلہبھا (آگ کا بھڑکنا اور شعلے مارنا) سے مشتق ہے۔

کتاب و سنت سے ثابت ہے کہ یأجوج و مأجوج بنی آدم میں سے ہیں اور فی الوقت موجود ہیں واقعہ ذی القرنین کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿حتى اذا بلغ بین السدین وجد من دونہما قوما لا یکادون ینفقہون قولاً . قالوا یاذا القرنین ان یأجوج و مأجوج مفسدون فی الارض فهل نجعل لک خرجاً علی أن تجعل بیننا و بینہم سداً﴾ (الکہف: ۹۳، ۹۴)

ترجمہ: (یہاں تک کہ جب وہ دو دیواروں کے درمیان پہنچان دونوں کے پرے اس نے ایک ایسی قوم پائی جو بات سمجھنے کے قریب بھی نہ تھی۔ انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین! یأجوج و مأجوج اس ملک میں (بڑے بھاری) فساد ہی ہیں، تو کیا ہم آپ کیلئے کچھ خرچ کا انتظام کر دیں؟ (اس شرط پر کہ) آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنادیں)

(۶۹) تاریخ کبیر للبخاری: (۲۶۳/۱) ترمذی: (۳۶۱۷) الشریعہ للہ جری (ص: ۳۸۱)

امام بخاری فرماتے ہیں: یہ اثر میرے نزدیک صحیح نہیں ہے اور اس کا کوئی متابع بھی نہیں ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں

یہ حدیث "حسن غریب" ہے، امام ہیثمی الجمع (۳۰۶/۸) میں فرماتے ہیں: اس کی سند میں عثمان بن الضحاک ہے، جس

کی ابن حبان نے توثیق کی ہے، جبکہ امام ابی داؤد نے اسے ضعیف کہا ہے۔ حافظ ابن حجر فتح الباری: (۶۶/۷) میں

فرماتے ہیں: عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے لیکن وہ حدیث ثابت نہیں ہے۔ جس میں یہ ہے کہ عائشہ

رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے اس بات کی اجازت طلب کی اگر میں آپ کے بعد زندہ رہوں تو مجھے آپ ﷺ کے

پہلو میں دفن کیا جائے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کیسے ہو سکتا ہے اس لیے کہ اس جگہ میں میری ابو بکر عمر اور عیسیٰ بن مریم

کی قبریں گنجائش ہے۔ "اخبار المدینہ" میں ضعیف سند سے سعید بن المسیب کا یہ قول مذکور ہے: "عائشہ رضی اللہ عنہا کے

گھر میں تین قبریں ہیں اور ایک قبر کی جگہ باقی ہے، جس میں عیسیٰ بن مریم کو دفن کیا جائے گا۔"

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[يقول الله يوم القيامة يا آدم قم فابعث النار من ذريتك الى ان قال رسول الله ﷺ ابشروا فان منكم واحدا ومن يأجوج ومأجوج الفاء] (٤٠)

ترجمہ: [اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آدم علیہ السلام سے فرمائے گا: اے آدم! کھڑا ہوا اور اپنی اولاد میں سے بعث النار (جہنمی گروہ) کو الگ کر لے اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خوش ہو جاؤ کیونکہ (بعث النار) تم میں سے ایک اور یا جوج و مأجوج میں سے ایک ہزار ہونگے] [متفق علیہ]

یا جوج و مأجوج کا خروج (جسے علامت قیامت قرار دیا گیا ہے) ابھی تک وقوع پذیر نہیں ہوا بلکہ آخری زمانے میں ہوگا۔ البتہ اس کی ابتدائیات کا آپ ﷺ کے عہد میں آغاز ہو گیا تھا، صحیحین میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

[فتح اليوم من ردم يأجوج ومأجوج مثل هذه وحلق با صبعه الابهام والى تليها] ترجمہ: [آپ ﷺ نے انگوٹھا اور شہادت کی انگلی سے حلقہ بنایا اور فرمایا: آج یا جوج و مأجوج کی دیوار میں اتنا سوراخ ہو گیا ہے۔] (٤١)

یا جوج و مأجوج کا قرب قیامت خروج کتاب و سنت سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿حتى اذا فتحت يأجوج ومأجوج وهم من كل حدب ينسلون. واقتراب الوعد الحق﴾ (الانبياء: ٩٦، ٩٧)

ترجمہ: (یہاں تک کہ یا جوج و مأجوج کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہوئے آئیں گے اور سچا وعدہ قریب آگے گا)

(٤٠) البخاری: کتاب الرقاق: باب قوله عز وجل ﴿ان زلزلة الساعة شى عظيم﴾ (٢٥٣٠)

مسلم: کتاب الايمان: باب قوله يقول الله لآدم اخرج بعث النار (٢٢٢)

(٤١) البخاری: کتاب الفتن: باب يأجوج ومأجوج: (٤١٣٥)

مسلم: کتاب الفتن: باب اقتراب الفتن وفتح ردم يأجوج ومأجوج (٢٨٨٠)

حدیث سے دلیل: نبی ﷺ کا فرمان ہے:

[انها لن تقوم الساعة حتى تروا قبلها عشر آيات فذكر: الدخان والدجال والداية وطلوع الشمس من مغربها ونزول عيسى ابن مريم وأجوج ومأجوج وثلاثة خسوف خسف بالمشرق، وخسف بالمغرب وخسف بجزيرة العرب وآخر ذلك نار تخرج من اليمن تطرد الناس الى محشرهم] (مسلم) (٤٢)

ترجمہ: [قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو، جو کہ یہ ہیں: الدخان (دھواں)، الدجال، الداية (زمین سے جانور کا نکلتا) مغرب سے سورج کا نکلتا، نزول عیسیٰ بن مریم، یا جوج و مأجوج، تین دفع دھنسا جانا، ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک جزیرہ العرب میں اور ان سب کے آخر میں یمن سے آگ نکلے گی اور تمام لوگوں کو میدانِ محشر کی طرف دھکیلے گی]

قصہ یا جوج و مأجوج کی قدر تفصیل

نواس بن سمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ آپ ﷺ نے دجال کا تذکرہ فرمایا، پھر عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور دجال کے قتل کا تذکرہ کیا پھر فرمایا: پس وہ اسی حال میں ہونگے کہ اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائے گا کہ میں نے اپنے کچھ بندے ایسے نکالے ہیں، جن سے لڑنے کی کسی میں طاقت نہیں۔ پس تو میرے بندوں کو کوہ طور پر لے جا کر ان کی حفاظت فرما۔ اور اللہ تعالیٰ یا جوج و مأجوج کو بھیجے گا اور وہ ہر بلندی سے پستی کی طرف تیزی سے دوڑیں گے۔ ان کا پہلا ٹولہ بحیرہ طبریہ سے گزرے گا اس کا سارا پانی پی جائے گا اور اس کا آخر ٹولہ وہاں سے گزرے گا تو وہ کہے گا کہ یہاں کبھی پانی ہوتا تھا۔ پھر وہ چلیں گے حتیٰ کہ جبل خریعیٰ جبل بیت المقدس تک پہنچ جائیں گے پس کہیں گے ہم نے زمین والوں کو تو قتل کر دیا ہے، اب آسمان والوں کو قتل کرتے ہیں، چنانچہ وہ اپنے تیروں کو آسمان کی طرف پھینکیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے تیروں کو خون آلود واپس بھیجے گا۔ (اس عرصہ میں) عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی وہیں محصور رہیں گے یہاں تک کہ ان میں ہر ایک کو نیل کی ایک سری تمہارے آج کے سودینا سے بہتر معلوم ہوگی۔ پس اللہ کے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونگے تو اللہ تعالیٰ

اللہ قرآن سے ثابت ہے کہ یہ ایک جانور ہوگا جو لوگوں کو عذاب اور ہلاکت کے قریب آچکنے سے ارائے گا اور خبردار کرے گا۔

☆ طلوع الشمس من مغربہا (سورج کا مغرب سے نکلنا)

سورج کا مغرب سے طلوع ہونا بھی کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَوْم يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا﴾ (الانعام: ۱۵۸)

ترجمہ: (جس روز آپ کے رب کی کوئی بڑی نشانی آپنچے گی، کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہیں رکھتا۔ یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو) اس آیت میں بعض آیات سے مراد سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے۔

سنت سے دلیل: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَإِذَا طَلَعَتْ وَتَرَاهَا النَّاسُ آمَنُوا أَجْمَعُونَ وَذَلِكَ حِينَ : لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا﴾ (الانعام: ۱۵۸) (۷۵)

ترجمہ: [قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہوگا، جب لوگ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا دیکھیں گے تو سب کے سب ایمان لے آئیں گے (لیکن اس وقت ایمان فائدہ مند نہ ہوگا) یہی وقت ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ترجمہ: (کسی ایسے شخص کا ایمان اس کے کام نہ آئے گا جو پہلے سے ایمان نہیں رکھتا، یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیک عمل نہ کیا ہو)

[۵۸] وعذاب القبر ونعيمه حق ، وقد استعاذ النبي ﷺ منه ، وأمر به في كل صلاة .

یا جوج و ما جوج کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کر دے گا جس سے وہ دفعتاً ایک جان کی طرح مرجائیں گے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب زمین پر اتریں گے، پس وہ زمین میں ایک بالشت جگہ بھی ایسی نہیں پائیں گے جو ان کی (لاشوں کی) گندگی (سڑاند) اور سخت بدبو سے خالی ہو۔ پس عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے اصحاب پھر اللہ تعالیٰ کی طرف (دعا کیلئے) متوجہ ہونگے تو اللہ تعالیٰ ایسے بڑے پرندے بھیجے گا جیسے بختی افنوں کی گردنیں ہوتی ہیں، وہ پرندے ان کی لاشوں کو اٹھائیں گے اور جہاں اللہ کو منظور ہوگا پھینک دیں گے۔ (مسلم) (۷۳)

☆ خروج الدابة (زمین سے جانور کا نکلنا)

الدابة: لغت میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو زمیں پر چلتی ہے، لیکن یہاں اس سے مراد وہ جانور ہے جسے اللہ تعالیٰ قرب قیامت نکالے گا۔

اس کا خروج بھی کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ﴾ (الزلزال: ۸۲)

ترجمہ: (جب ان کے اوپر عذاب کا وعدہ ثابت ہو جائے گا، ہم زمین سے ان کیلئے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرتا ہوگا کہ لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں کرتے تھے)

سنت سے دلیل:

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [انها لن تقوم الساعة حتى تروا قبلها عشر آيات و ذكر منها الدابة] (مسلم) (۷۳)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم اس سے پہلے دس نشانیاں نہ دیکھ لو..... آپ ﷺ نے ان نشانوں کو ذکر کیا، ان میں دابة الارض کا بھی ذکر فرمایا۔]

دابة الارض کے خروج کا مقام اور اس کی صفات کے متعلق قرآن اور سنت صحیحہ سے کوئی بات ثابت نہیں، البتہ بعض احادیث میں اس حوالے سے کچھ ملتا ہے لیکن ان احادیث کی صحت محل نظر ہے،

(۷۵) البخاری: کتاب التفسیر من سورة الانعام: باب ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا﴾ (۲۶۳۶)

مسلم: کتاب الايمان: باب الزمن الذي لا يقبل فيه الايمان (۱۷۵)

(۷۳، ۷۴) مسلم: کتاب الفتن: باب ذكر الدجال وصفته: (۲۹۳۷)

ترجمہ: قبر کا عذاب اور اس کی نعمتیں برحق ہیں، رسول اللہ ﷺ عذابِ قبر سے پناہ طلب کرتے تھے، اور لوگوں کو بھی ہر نماز میں اس سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا۔

[۵۹] وفتنة القبر حق، وسؤال منكر ونكير حق، والبعث بعد الموت حق، وذلك حين ينفخ اسرافيل عليه السلام في الصور:

﴿فاذا هم من الاجداث الى ربهم ينسلون﴾ (يس: ۵۱)

ترجمہ: فتنہ قبر حق ہے، منکر و نکیر کا قبر میں سوال کرنا حق ہے، مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنا بھی برحق ہے، اور (یہ دوبارہ جی اٹھنا) اسرافیل علیہ السلام کے صور پھونکنے سے وقوع پذیر ہوگا

﴿فاذا هم من الاجداث الى ربهم ينسلون﴾ (یس: ۵۱)

ترجمہ: (تو سب کے سب اپنی قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف چلے لگیں گے)

..... شرح

فتنہ قبر

فتنہ کا لغوی معنی امتحان اور آزمائش ہے۔ جبکہ فتنہ قبر سے مراد، قبر میں میت سے اس کے رب، دین اور نبی کے متعلق کیئے جانے والے سوال ہیں۔

فتنہ قبر بھی قرآن اور سنت سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ (ابراہیم: ۲۷)

ترجمہ: (ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کچی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی)

سنت سے دلیل: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[المسلم اذا سئل في القبر شهد أن لا اله الا الله وأن محمداً رسول الله فذلك قوله تعالى: ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾]

ترجمہ: [مسلمان سے جب قبر میں سوال ہوتے ہیں تو وہ لا اله الا الله محمد رسول اللہ ﷺ کی شہادت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے: ﴿يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ (ابراہیم: ۲۷) (۷۶)

ترجمہ: (ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کچی بات کے ساتھ مضبوط رکھتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی) (متفق علیہ)

قبر میں میت سے سوال کرنے والے دو فرشتے ہوتے ہیں جیسا کہ نبی ﷺ کے اس فرمان سے ثابت ہے: [ان العبد اذا وضع في قبره وتولى عنه اصحابه انه ليسمع قرع نعالهم. قال: والله ملكان فيقعدها] (مسلم) (۷۷)

ترجمہ: [جب کسی بندے کو قبر میں دفن دیا جاتا ہے اور اسکے دوست احباب وغیرہ واپس پلٹ جاتے ہیں تو وہ (میت) ان کے جوتوں کے بجنے کی آواز سنتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: دو فرشتے آجاتے ہیں اور اسے بٹھالیتے ہیں]

ان دو فرشتوں کے نام منکر و نکیر ہیں، جیسا کہ ترمذی کی ایک مرفوع حدیث سے معلوم ہوتا ہے، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن اور شرط مسلم پر قرار دیا ہے۔ (۷۸)

صحیح قول کے مطابق قبر کا یہ سوال عام ہے، تمام مکلفین سے ہوگا خواہ مؤمن ہوں یا کافر، ان کا تعلق امت محمدیہ سے ہو یا کسی اور امت سے۔ البتہ غیر مکلفین کے متعلق اختلاف ہے، امام ابن القیم رحمہ اللہ

(۷۶) البخاری: کتاب الجنائز: باب: جاء في عذاب القبر: (۱۳۶۹)

مسلم: کتاب الجنّة وصفة نعيمها: باب عرض مقعد الميت من الجنة والنار عليه (۲۸۷۱)

(۷۷) البخاری: کتاب الجنائز باب الميت يسمع خفق النعال (۱۳۳۸)

مسلم: کتاب الجنّة وصفة نعيمها: باب عرض مقعد الميت من الجنة والنار عليه (۲۸۷۰)

(۷۸) یہ حدیث حسن ہے، ترمذی (۱۰۷۱) ابن حبان (۷۸۰)۔ (موارد) السنن لابن عاصم (۸۶۳) امام ترمذی فرماتے ہیں: ”حسن غریب“ شیخ البانی نے بھی ”ضلال الجنّة فی تخریج السنّة“ (۸۶۳) میں حسن کہا ہے۔

اور الصحیح (۱۳۹۱) میں فرماتے ہیں: اس کی سند جید ہے، تمام راوی ثقہ ہیں اور مسلم کے راوی ہیں۔

نے اپنی کتاب ”الروح“ میں ان سے بھی سوال کیے جانے کو ترجیح دی ہے، البتہ نسائی کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شہید (۷۹) اور مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی سرحد پر دیتے ہوئے مرنے والا قبر کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ (۸۰)

قبر میں عذاب یا پھر نعمتیں

عذاب قبر یا اس کی نعمتیں برحق ہیں، اور کتاب و سنت اور اجماع اہل سنت سے ثابت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فلولا اذا بلغت الحلقوم . وأنتم حينئذ تنظرون﴾ الی قوله ﴿فاما ان كان من المقربين فروح وريحان وجنت نعيم﴾ (الواقعة: ۸۳ تا ۸۹)

ترجمہ: (پس جبکہ روح نرخرے تک پہنچ جائے۔ اور تم اس وقت دیکھ رہے ہو۔ ہم اس شخص سے بہ نسبت تمہارے بہت زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ سکتے۔ پس اگر تم کسی کے زیر فرمان نہیں۔ اور اس قول میں سچے ہو تو (ذرا) اس روح کو تو لوٹاؤ۔ پس جو کوئی بارگاہ الہی سے قریب کیا ہوا ہوگا۔ اسے تو راحت ہے اور غذا کیں ہیں اور آرام والی جنت ہے)

رسول اللہ ﷺ خود بھی عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرتے تھے اور امت کو بھی اس بات کا حکم دیتے تھے۔ (۸۱)

(۷۹) یہ حدیث صحیح ہے اسے نسائی (۲۷۹/۱) نے ان الفاظ سے روایت کیا ہے: ”کہ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ کیا وجہ ہے کہ شہید کے علاوہ باقی سب اہل ایمان قبر کے فتنے میں مبتلا کیے جائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”شہید کے سر پر تلوار کی ضرب فتنہ القبر سے کفایت کر جائے گی“

شیخ البانی ”احکام الجنائز“ (ص: ۳۶) میں فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے

(۸۰) مسلم: کتاب الامارۃ: باب فضل الرباط فی سبیل اللہ عز وجل (۱۹۱۳)

(۸۱) مسلم: کتاب المساجد: باب ما يستعاذ منه فی الصلاة (۵۹۰) اس باب میں بخاری

(۱۰۴۹) مسلم: (۹۰۳) میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث موجود ہے۔ اور مسلم میں ابوہریرۃ (۵۸۸۸)

اور زید بن ثابت (۲۸۶۷) کی حدیث بھی موجود ہے۔

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی فتنہ قبر کے متعلق مشہور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے مؤمن کے متعلق فرمایا [فینادی مناد من السماء أن صدق عبدی فأفر شوہ من الجنة وألبسوه من الجنة وافتحوا له بابا إلى الجنة فيأتيه من ريحها وطيبها ويفسح له في قبره مد بصره]

ترجمہ: [آسمان سے ایک منادی اعلان کرتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا ہے، اس کیلئے جنت سے بستر بچھا دو اسے جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو، جس سے ہوا اور خوشبو آتی رہتی ہے، اور تاحد نگاہ اس کی قبر کو وسیع کر دیا جاتا ہے]

اور کافر کے متعلق فرمایا:

[فینادی مناد من السماء أن كذب عبدی فأفر شوہ من النار وافتحوا له بابا من النار فيأتيه من حرها وسمومها يضيق عليه قبره حتى تختلف أضلاعه] (ابوداؤد، احمد)

ترجمہ: [آسمان سے ایک منادی اعلان کرتا ہے کہ میرے بندے نے جھوٹ کہا ہے، اس کیلئے جہنم سے بستر بچھا دو اور اس کیلئے جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دو چنانچہ اس دروازے سے جہنم کی لو اور گرم ہوائیں اسے پہنچتی ہیں، اس پر قبر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جاتی ہیں] (۸۲)

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”الروح“ میں عذاب قبر اور اس کی نعمتوں کے اثبات پر سلف صالحین اور تمام اہل سنت کا اجماع نقل کیا ہے۔

البتہ بعض ملحدین قسم کے لوگ عذاب قبر اور اس کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں، اور عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر ہم قبر کو کھود کر دیکھیں تو عذاب اور نعمتوں کے کوئی آثار دکھائی نہیں دیتے۔

ہم ان ملاحدہ کا دو طریقوں سے رد کرتے ہیں۔

(۱) عذاب قبر اور اس کی نعمتیں کتاب و سنت اور اجماع سلف صالحین سے ثابت ہیں۔

(۲) احوال آخرت کو احوال دنیا پر قیاس کرنا درست نہیں، لہذا عذاب قبر اور اس کی نعمتوں کو دنیوی

عذاب اور نعمتوں کی طرح نہ سمجھا جائے۔

(۸۲) یہ حدیث صحیح ہے۔ (خرجاہ فی السنن) (۲۸۷، ۲۸۸، ۲۹۵، ۲۹۶) ابوداؤد (۴۷۵۳)

عذاب قبر اور اسکی نعمتوں کا تعلق روح کے ساتھ ہے یا بدن کے ساتھ؟

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”سلف صالحین اور ائمہ دین کا اس مسئلہ میں مذہب یہ ہے کہ عذاب اور نعمت روح اور بدن دونوں کو الگ الگ حاصل ہوتے ہیں، یعنی روح کو بدن سے جدا ہونے کے باوجود بھی عذاب یا نعمتیں لاحق ہوتی ہیں، البتہ کبھی کبھی روح بدن سے مل جاتی ہے تو ایسی صورت میں بدن کو روح کے ساتھ عذاب یا نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ (۸۳)

النفخ فی الصور (صور میں پھونکا جانا)

نفخ کا لغوی معنی پھونکنا، اور صور کا لغوی معنی سینک ہے۔ شریعت میں صور اس عظیم سینک کو کہتے ہیں جسے اسرافیل علیہ السلام نے اپنے منہ کے ساتھ لگایا ہوا ہے اور منتظر ہے کہ کب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں پھونکنے کا حکم آتا ہے۔ اسرافیل علیہ السلام ان فرشتوں میں سے ہیں جنہوں نے عرش الہی کو اٹھایا ہوا ہے۔ اسرافیل علیہ السلام نے دوبار پھونک مارنی ہے، پہلی پھونک سے لوگ گھبرا کر بیہوش ہو جائیں گے، مگر جسے اللہ محفوظ رکھے گا، اسے نفخہ فزع کہتے ہیں۔ دوسری پھونک سے لوگ اٹھ کھڑے ہونگے اور اپنی اپنی قبروں سے باہر آ جائیں گے، اسے نفخہ بعث کہتے ہیں۔

کتاب وسنت اور اجماع امت سے نفخ فی الصور ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَنفُخُ فِي الصُّورِ فَصُعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ أَلَا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ثُمَّ نَفْخُ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ﴾ (الزمر: ۶۸)

ترجمہ: (اور صور پھونک دیا جائے گا پس آسمانوں اور زمین والے سب بیہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر جسے اللہ چاہے، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا پس وہ ایک دم کھڑے ہو کر دیکھنے لگ جائیں گے۔)

نیز فرمایا: ﴿وَنفُخُ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ﴾

ترجمہ: (تو صور کے پھونکے جاتے ہی سب کے سب اپنی قبروں سے اپنے پروردگار کی طرف چلے

گئیں گے) (یس: ۵۱)

سنت سے دلیل: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[ثم ينفخ في الصور فلا يسمعه أحد الا أصغى لينا ثم لا يبقى أحد الا صعق ثم ينزل الله مطرا كأنه الطل أو الظل فتثبت منه اجساد الناس ثم ينفخ فيه أخرى فاذا هم قيام ينظرون] (مسلم)

ترجمہ: [پھر صور پھونکا جائے گا، جو بھی سنے گا اپنی گردن اسکی طرف جھکائے گا اور پھر اوپر اٹھائے گا پھر سب کے سب بیہوش ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ ہلکی ہلکی بارش برسائے گا جس سے انسانی جسم (نباتات کی طرح) اگ آئیں گے پھر دوسری بار صور پھونکا جائے گا جس سے سب لوگ اٹھ کھڑے ہونگے اور (حیران و پریشان) ادھر ادھر دیکھنے لگیں گے۔]

اجماع: نفخ فی الصور کے اثبات پر اجماع امت حاصل ہے۔



[۶۰] ويحشر الناس يوم القيامة حفاة عراة غرلا بهما ، فيقفون في موقف القيامة ، حتى يشفع فيهم نبينا محمد ﷺ ويحاسبهم الله تبارك وتعالى ، وتنصب الموازين ، وتنشر الدواوين ، وتطير صحف الأعمال الى الأيمان والشمائل :

﴿فأما من أوتى كتابه بيمينه . فسوف يحاسب حسابا يسيرا . وينقلب الى أهله مسرورا . وأما من أوتى كتابه وراء ظهره . فسوف يذوقوا ثورا . ويصلى سعيرا﴾ (الاشتقاق: ۱۲ تا ۱۷)

ترجمہ: لوگوں کو قیامت کے دن ننگے پاؤں، برہنہ جسم، خالی ہاتھ اور غیر مختون حالت میں میدانِ محشر کی طرف ہانک کر جمع کیا جائے گا، حتیٰ کہ سب لوگ میدانِ محشر میں جمع ہو جائیں گے، پھر ہمارے نبی محمد ﷺ کی شفاعت سے اللہ تعالیٰ لوگوں کا حساب شروع فرمائے گا، چنانچہ ترازو نصب کر دیئے جائیں گے، اعمال کے رجسٹر پھیلا دیئے جائیں گے، اور لوگوں کے اعمال نامے

انکے دائیں یا بائیں ہاتھوں میں تھادیئے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاَمَّا مَنْ اُوتِيَ كِتَابًا بِيَمِينِهِ . فَسَوْفَ يَحْسِبُ حِسَابًا يَسِيرًا . وَيَنْقَلِبُ اِلَى اَهْلِهِ مُسْرُورًا . وَاَمَّا مَنْ اُوتِيَ كِتَابًا وَرَاءَ ظَهْرِهِ . فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا . وَيَصْلَى سَعِيرًا﴾ (الانشقاق: ۱۲ تا ۱۴)

ترجمہ: (تو اس وقت) جس شخص کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا، اس کا حساب تو بڑی آسانی سے لیا جائے گا، اور وہ اپنے اہل کی طرف ہنسی خوشی لوٹ آئے گا۔ ہاں جس شخص کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا، تو وہ موت کو بلانے لگے گا۔ اور وہ بھڑکتی ہوئی جہنم میں داخل ہوگا)

..... شرح

البعث والنشر (قبروں سے زندہ ہونا اور میدانِ محشر میں جمع ہونا)

البعث کا لغوی معنی بھیجنا اور چھوڑنا ہے، جبکہ شرعی اصطلاح میں قیامت کے روز مردوں کو زندہ کرنے کو کہتے ہیں۔

الحشر کا لغوی معنی جمع کرنا ہے، اور شرعی اصطلاح میں مخلوق سے حساب لینے اور ان میں فیصلہ کرنے کی غرض سے انہیں جمع کرنے کو کہتے ہیں۔

بعث وحشر برحق ہیں، کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ﴾ (التغابن: ۷)

ترجمہ: (آپ کہہ دیجئے کہ کیوں نہیں اللہ کی قسم! تم ضرور دوبارہ اٹھائے جاؤ گے)

نیز فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ . لَمَجْمُوعُونَ اِلَىٰ مِيقَاتٍ يَوْمَ مَعْلُومٍ﴾

ترجمہ: (آپ کہہ دیجئے کہ یقیناً سب اگلے اور پچھلے ضرور جمع کیئے جائیں گے ایک مقرر دن کے

وقت) (الواقعة: ۴۹، ۵۰)

سنت سے دلیل: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[يَحْشُرُ الْاِنْسَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى اَرْضٍ بَيْضَاءٍ عَفْرَاءٍ كَقُرْصَةِ الْاِنْقَى لَيْسَ فِيهَا

عِلْمٌ لِأَحَدٍ] (متفق علیہ) (۸۴)

ترجمہ: [قیامت کے دن لوگوں کو ایسی زمین پر جمع کیا جائے گا، جو سفید سرخی مائل، صاف ستھرے اٹے سے تیار کی ہوئی ہے روٹی کی طرح ہوگی، اس میں کسی کا کوئی نشان نہیں ہوگا]

اجماع امت: جمع مسلمانوں کا اس مسئلہ میں اجماع ہے۔

لوگ قیامت کے دن میدانِ محشر میں ننگے پاؤں، برہنہ جسم اور غیر مختون حالت میں جمع ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿كَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نَعِيدُهُ﴾ (الانبیاء: ۱۰۴)

ترجمہ: (جیسے کہ ہم نے اول دفعہ پیدائش کی تھی اسی طرح دوبارہ کریں گے۔)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[انکم تحشرون حفاة، عراة، غرلا ثم قرأ: ﴿كَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نَعِيدُهُ

وَعَدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ﴾ (الانبیاء: ۱۰۴)]

ترجمہ: [اے لوگو! تم (قیامت کے دن) ننگے پاؤں، ننگے جسم اور غیر مختون حالت میں (میدانِ

محشر میں) جمع کیئے جاؤ گے، یہ کہہ کر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی: ﴿كَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نَعِيدُهُ

وَعَدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ﴾ (الانبیاء: ۱۰۴)]

ترجمہ: (جیسے کہ ہم نے اول دفعہ پیدائش کی تھی اسی طرح دوبارہ کریں گے۔ یہ ہمارے ذمے وعدہ

ہے اور ہم اسے ضرور کر کے (ہی) رہیں گے)

عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث میں یہ الفاظ ہیں:

[لوگ قیامت کے دن ننگے پاؤں، برہنہ جسم، خالی ہاتھ اور غیر مختون حالت میں (میدانِ محشر میں)

جمع کیئے جائیں گے] (مسند احمد: ۸۵)

(۸۴) البخاری: کتاب الرقاق: باب يقبض الله الارض يوم القيامة (۲۵۲)

مسلم: کتاب صفة القيامة والجنة والنار: باب في البعث النشور: (۲۷۹۰)

(۸۵) حدیث حسن ہے (اس کی تخریج گزری چکی ہے)

جبکہ کفار و منافقین کے متعلق سب کے سامنے اعلان کیا جائے گا: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا، ان ظالموں پر اللہ کی لعنت ہو۔ (بخاری و مسلم) (۸۸)

حساب سب لوگوں کا ہوگا سوائے ان کے جنہیں آپ ﷺ نے حساب سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، چنانچہ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ اس امت کے ستر ہزار افراد (جن میں عکاشہ بن محسن بھی ہے) بغیر حساب و عذاب کے جنت میں جائیں گے۔ (بخاری و مسلم) (۸۹)

مسند احمد میں ثوبان رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ (ان ستر ہزار میں سے) ہر ایک کے ساتھ مزید ستر ہزار افراد بغیر حساب و عذاب کے جنت میں جائیں گے۔ مسند احمد کی اس حدیث کو امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے اور اس کے کچھ شواہد بھی پیش کیے ہیں۔ (۹۰)

سب سے پہلے امت محمدیہ کا حساب ہوگا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[نحن الآخرون السابقون يوم القيامة المقضى بينهم قبل الخلائق] (۹۱)

(۸۸) البخاری: کتاب المظالم: باب قول الله تعالى ﴿أَلْعَنَ اللَّهُ عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ مسلم: کتاب التوبة: باب قبول توبة القاتل وان كثر قتله (۲۷۸)

(۸۹) بخاری: کتاب الرقاق: باب يدخل الجنة سبعون الفا بغير حساب (۲۵۴)

مسلم: کتاب الايمان: باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين الجنة بغير حساب ولا عذاب (۲۲۰) (۳۷۴)

(۹۰) یہ حدیث حسن ہے، طبرانی کبیر (۱۴۱۳) احمد (۲۸۱، ۲۸۰/۵) سند میں محمد بن اسماعیل بن عیاش الحنفی، متکلم فیہ ہے۔ التہذیب (۵۲، ۵۱/۹) المغنی فی الضعفاء للذہبی (۵۵۵/۲) اس حدیث کے بہت سارے شواہد بھی ہیں۔ النہایۃ لابن کثیر (۳۲۲ : ۳۳۰) ایک شاہد احمد (۲۶۸/۵) ترمذی (۳۴۳۷) ابن ماجہ (۴۲۸۶) میں ہے۔ ابن حبان نے اس شاہد کو صحیح کہا ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث شواہد کی بناء پر کم سے کم حسن درجہ کی ضرور ہے۔

(۹۱) یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مسلم: کتاب الجمعة: باب هداية هذه الامة ليوم الجمعة: (۸۵۶) میں ابو ہریرہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، بخاری و مسلم میں یہ الفاظ بھی وارد ہیں: [ہم امتوں میں آخر میں آنے والے ہیں، قیامت کے دن سبقت لیجانے والے ہیں، البتہ یہود و نصاریٰ کو ہم سے پہلے کتاب دی گئی

ہے] بخاری: (۸۷۶) مسلم: (۸۵۵)

قیامت کے دن سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ (متفق علیہ) (۸۶)

الحساب

حساب لغت میں عدد کو کہتے ہیں۔ شریعت میں اس سے مراد ہے ”اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو ان اعمال کے متعلق آگاہ کرنا“

حساب بھی کتاب و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ان الينا ايا بهم. ثم ان علينا حسابهم﴾ (الغاشية: ۲۶، ۲۵)

ترجمہ: (پیشک ہماری طرف ان کا لوٹنا ہے۔ پھر پیشک ہمارے ذمہ ہے ان سے حساب لینا) سنت سے دلیل: رسول اللہ ﷺ نماز کی بعض دعاؤں میں کہتے تھے:

[اللهم حسبي حسبا يسيرا] ترجمہ: [اے اللہ مجھ سے آسان حساب لینا]

عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ دریافت کیا: آسان حساب سے کیا مراد ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ بندے کی کتاب (نامہ اعمال) میں دیکھ کر اس سے درگزر فرمادے [احمد، شیخ الہمام نے اس کی سند کو جید کہا ہے] (۸۷)

اجماع: قیامت کے دن کے حساب کے برحق اور ثابت ہونے پر امت کا اجماع و اتفاق ہے۔

قیامت کے دن مؤمن بندے کا حساب اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ خلوت میں اس سے اس کے گناہوں کے متعلق پوچھے گا بندہ اپنے گناہوں کا اقرار کرتا جائے گا، حتیٰ کہ اسے اپنی ہلاکت کا یقین ہو جائے گا، کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے ان گناہوں پر دنیا میں پردہ ڈالے رکھا، آج ان سب کو معاف کرتا ہوں، چنانچہ اسے اس کی نیکیوں کی کتاب دے دی جائے گی۔

(۸۶) البخاری: کتاب الانبياء: باب قول الله تعالى ﴿واتخذ الله ابراهيم خليلا﴾ (۳۳۴۹)

مسلم: کتاب الجنة: باب فناء الدنيا وبيان الحشر يوم القيامة (۲۸۶۰)

حاشیہ (۸۷) یہ حدیث صحیح ہے۔ احمد (۲۸/۶) ابن ابی عاصم (کتاب السنۃ: ۸۸۵) شیخ البانی تخریج النہایۃ (۴۲۹/۲) میں فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح ہے۔ اس حدیث کا اصل صحیحین میں موجود ہے۔ بخاری (۶۵۳۶، ۱۰۳)

مسلم: (۶۵۳۷) (۲۸۷۶)

ترجمہ: یعنی ہم تمام امتوں میں سب سے آخر میں آئیوالے ہیں، لیکن حساب سب سے پہلے ہمارا ہوگا [متفق علیہ]

ابن ماجہ میں ابن عباس سے مرفوعاً مروی ہے کہ: [نحن آخر الأمم وأول من يحاسب] یعنی ہم امتوں میں سب سے آخری امت ہیں لیکن حساب سب سے پہلے ہمارا ہوگا۔ [۹۲]

حقوق اللہ میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا، کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

[أول ما يحاسب به العبد يوم القيامة الصلاة، فإن صلحت صلح سائر عمله وإن فسدت فسد سائر عمله]

ترجمہ: [قیامت کے دن بندے سے سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا اگر نماز کا معاملہ درست رہا تو باقی اعمال کا معاملہ بھی درست رہیگا، اور اگر نماز کا معاملہ خراب رہا تو باقی اعمال کا معاملہ بھی خراب رہیگا] (اسے امام طبرانی نے اپنی اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کی سند ان شاء اللہ قابل قبول ہے۔ یہ بات امام منذری نے الترغیب والترہیب میں فرمائی ہے) (۹۳)

البتہ بندوں کے حقوق میں سب سے پہلے خون کے معاملات کا فیصلہ کیا جائے گا، کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

[أول ما يقضى بين الناس يوم القيامة في الدماء] (متفق علیہ) (۹۴)

یعنی [قیامت کے دن لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون کے متعلق فیصلے کیئے جائیں گے]

(۹۲) ابن ماجہ (۲۹۰) احمد (۲۸۲/۱، ۲۸۲/۲، ۳۲۲، ۳۲۳) بیہقی فی دلائل النبوة (۵/۲۸۲) عن ابن عباس، شیخ البانی سے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ بوسیری نے بھی الزوائد (۳/۳۱۷) میں اس کی سند کو صحیح کہا ہے

(۹۳) یہ حدیث صحیح ہے۔ ترمذی (۲۱۳) نسائی (۲۳۲/۱) ابن ماجہ (۱۳۲۶) شیخ البانی نے صحیح ترغیب وترہیب (۱/۱۸۵) میں صحیح کہا ہے۔

(۹۴) البخاری: کتاب الدیات: باب قول الله تعالى ﴿ومن يقتل مؤمناً متعمداً فجزاءه جهنم﴾

(۶۸۶۳) مسلم: کتاب القسامة: باب المجازاة بالدماء في الآخرة (۱/۶۴۸)

[۶۱] والميزان له كفتان ولسان توزن به الأعمال: ﴿فمن ثقلت موازينه فأولئك هم المفلحون. ومن خفت موازينه فأولئك الذين خسروا أنفسهم﴾ (المؤمنون: ۱۰۲، ۱۰۳)

ترجمہ: موازين (ترازوں) کے دو پلڑے اور ایک کاٹھا ہوگا۔

﴿فمن ثقلت موازينه فأولئك هم المفلحون. ومن خفت موازينه فأولئك الذين خسروا أنفسهم في جهنم خالدون﴾ (المؤمنون: ۱۰۲، ۱۰۳)

ترجمہ: (اور جن کے ترازو کا پلہ بھاری ہو گیا وہ تو نجات پانے والے ہو گئے۔ اور جن کے ترازو کا پلہ ہلکا ہو گیا، یہ ہیں وہ جنہوں نے اپنا نقصان آپ کر لیا جو ہمیشہ کے لیے جہنم واصل ہوئے)

..... شرح

موازن، میزان کی جمع ہے۔ میزان لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ذریعے اشیاء کے ہلکا بھاری ہونے کا اندازہ لگایا جائے۔ شریعت میں اس سے مراد وہ ترازو ہے جسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بندوں کے اعمال کو تولنے کیلئے قائم فرمائے گا۔

میزان کتاب وسنت اور سلف صالحین کے اجماع سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فمن ثقلت موازينه فأولئك هم المفلحون. ومن خفت موازينه فأولئك الذين خسروا أنفسهم في جهنم خالدون﴾ (المؤمنون: ۱۰۲، ۱۰۳)

ترجمہ: (اور جن کی ترازو کا پلہ بھاری ہو گیا وہ تو نجات پانے والے ہو گئے۔ اور جن کی ترازو کا پلہ ہلکا ہو گیا یہ ہیں وہ جنہوں نے اپنا نقصان آپ کر لیا جو ہمیشہ کے لیے جہنم واصل ہوئے)

نیز فرمایا: ﴿ونضع موازين القسط ليوم القيامة فلا تظلم نفساً شيئاً وإن كان مثقال

حبة من خردل اتينا بها وكفى بنا حاسبين﴾ (الانبياء: ۶۷)

ہے، البتہ حدیث میں صیغہ مفرد کے استعمال کی توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہاں جنس ترازو مراد ہے۔ جبکہ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ترازو ایک ہوگا، ان کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں میزان مفرد استعمال ہوا ہے، قرآن میں جمع آنے کی توجیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ وہاں جمع باعتبار موزون (وزن کی جانے والی) یعنی اعمال کے ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ دونوں احتمال درست ہو سکتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

باقی رہا یہ مسئلہ کہ وزن کس چیز کا کیا جائے گا، تو سابقہ آیت اور حدیث سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وزن اعمال کا کیا جائے گا۔ البتہ ایک قول یہ بھی ہے کہ وزن صحائف اعمال کا ہوگا، ان کی دلیل حدیث طاہرہ ہے۔ ایک تیسرا قول بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ وزن عامل کا ہوگا، ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

عن ابی ہریرۃ أن النبی ﷺ قال [أنه لیأتی الرجل العظیم السمین یوم القیامۃ یومئذ عند اللہ جناح بعوضۃ وقال اقرأوا: ﴿ فلا نقیم لهم یوم القیامۃ وزنا ﴾ (۹۷)

ترجمہ: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [قیامت کے دن ایک انتہائی موٹا آدمی آئے گا لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ فلا نقیم لهم یوم القیامۃ وزنا ﴾ (الکھف: ۱۰۵) ترجمہ: (اور قیامت کے دن ہم ان کا کوئی وزن قائم نہ کریں گے) (متفق علیہ)

اہل علم نے ان نصوص میں تطبیق یوں دی ہے کہ یا تو تینوں چیزوں کا وزن ہوگا یا پھر یہ کہ وزن تو صحائف اعمال کا ہوگا لیکن کیونکہ صحائف کا خفیف یا ثقیل ہونا اعمال کے لحاظ سے ہے تو گویا وزن اعمال کا، البتہ صاحب عمل کے وزن سے مراد اس کی قدر و منزلت ہے۔ یہ ایک عمدہ تطبیق ہے۔ (واللہ اعلم)

نشر الدواوین (صحائف اعمال کا پھیلا یا جانا)

النشر کا لغوی معنی کھولنا اور پھیلا نا ہے، جیسے نشر الکتاب (کتاب کا کھولنا)، نشر الشیء (کسی چیز کا پھیلا نا) جبکہ شریعت میں اس سے مراد ہے: قیامت کے دن صحائف اعمال کا ظاہر کرنا اور ان کو تقسیم کرنا۔

(۹۷) بخاری: کتاب التفسیر من سورة الکھف: باب ﴿اولئک الذین کفروا بایات ربھم﴾

واللہ اعلم (۴۷۲۹) مسلم: کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار: (۲۷۸۵)

ترجمہ: (قیامت کے دن ہم درمیان میں لا رکھیں گے ٹھیک ٹھیک تولنے والی ترازو۔ پھر کسی پر کم و غلط نہ کیا جائے گا۔ اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا تو ہم اسے لا حاضر کریں گے، اور ہم کافی ہیں حساب کرنے والے)

سنت سے دلیل: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[کلماتان حبیبان الی الرحمن خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان] (متفق علیہ) (۹۵)

ترجمہ: [دو کلمے ایسے ہیں جو رحمن کو پیارے ہیں، زبان پر ہلکے پھلکے ہیں، لیکن (قیامت کے دن) ترازو میں بھاری اور وزنی ہونگے، وہ یہ ہیں: سبحان اللہ وبحمدہ سبحان العظیم]

اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں اس کی ہر طرح کی تعریف کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی بیان کرتا ہوں جو بہت بڑا ہے)

میزان کے حق ہونے پر تمام سلف اجماع ثابت ہے۔

یہ ترازو حقیقی ہوگا اس کے دو پلڑے ہونگے، عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی حدیث (۹۸) حدیث بطریق کے نام سے مشہور ہے) میں ہے کہ [گناہوں کے رجسٹر ایک پلڑے میں رکھے جائیں گے اور پرچی (جس پر لا الہ الا اللہ لکھا ہوگا) دوسرے پلڑے میں] (ترمذی ابن ماجہ شیخ البانی رحمہ اللہ اس کی سند کو صحیح کہا ہے) (۹۶)

ترازو کے ایک یا زیادہ ہونے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ امتوں، افراد اور اعمال کے تعدد کے اعتبار سے ترازو بھی متعدد ہونگے، ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں موازن جمع کا صیغہ وارد

(۹۵) البخاری: کتاب التوحید: باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿ ونضع الموازن القسط لیوم القیامۃ ﴾ (۵۵۶۳)

مسلم: کتاب الذکر والدعاء: باب فضل التہلیل (۲۶۹۳)

(۹۶) یہ حدیث صحیح ہے۔ احمد (۲۱۳/۲) الترمذی (۲۶۳۹) ابن ماجہ (۳۳۰۰)

ابن حبان (۲۵۲۳) اور حاکم (۵۲۹، ۶/۱) نے صحیح کہا ہے۔ ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے، امام ترمذی نے بھی صحیح کہا ہے۔

ترجمہ: عاکثرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ (ﷺ) (قیامت کے دن) اپنے گھروالوں کو یاد کریں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: [تین مواقع ایسے ہیں جن میں کوئی کسی کو یاد نہیں کرے گا، وزن اعمال کے وقت حتیٰ کہ وہ جان لے کہ نیکوں کا پلڑا بھاری ہے یا ہلکا، اور جب اعمال نامے تقسیم کیئے جائیں گے حتیٰ کہ وہ جان لے کہ اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملا ہے یا بائیں میں یا پیٹھ کے پیچھے سے، اور پل صراط کو عبور کرتے وقت (جسے جہنم پر رکھا جائے گا) حتیٰ کہ وہ اسے عبور کر لے] (۹۸)

اجماع: اعمال ناموں کی تقسیم کے حق ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ثابت ہے۔

اعمال نامہ کیسے تقسیم کیئے جائیں گے

مؤمن اپنے دائیں ہاتھ سے اپنا نامہ اعمال وصول کرے گا اور انتہائی خوشی کے عالم میں کہے گا

﴿هَآؤُمْ أَقْرَأُ وَكِتَابِيهِ﴾ (الحاقة: ۱۹) ترجمہ: (لومیر انامہ اعمال پڑھو)

جبکہ کافر کو اس کا اعمال نامہ بائیں ہاتھ میں یا پیٹھ پیچھے سے دیا جائے گا، چنانچہ وہ اپنے لئے ویل و ہلاکت کو پیکار تے ہوئے کہے گا:

﴿يَا لَيْتَنِي لَمْ أَوتَ كِتَابِيهِ . وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيهِ﴾ (الحاقة: ٢٥، ٢٦)

ترجمہ: (کاش مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی۔ اور میں جانتا ہی نہ کہ حساب کیا ہے)



الدواوین دیوان کی جمع ہے۔ لغت میں اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں فوجیوں وغیرہ کی ہر ایک تفصیل درج ہوتی ہے۔ جبکہ شریعت میں اس سے مراد وہ صحیفے ہیں جن میں بندوں کے وہ تمام اعمال درج ہوتے ہیں جنہیں فرشتے (کراماً کاتبین) لکھتے ہیں۔

تو صحیفوں کے پھیلائے سے مراد قیامت کے دن بندوں کے اعمال کے صحیفے ظاہر کرنا ہے، چنانچہ صحیفے اڑتے ہوئے لوگوں کے دائیں یا بائیں ہاتھوں میں آگریں گے۔

نشر الدواوین کتاب وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ فَا مِّنْ أَوْتَىٰ كِتَابٍ بِهِ يَمِينُهُ . فَسُوفَ يُحَاسِبُ حَسَابًا يَسِيرًا . وَيُنْقَلِبُ إِلَى الْأَمَلِ مَسْرُورًا . وَأَمَّا مِّنْ أَوْتَىٰ كِتَابٍ بِهِ وَرَاءَ ظَهْرِهِ . فَسُوفَ يَدْعُوا ثُبُورًا . وَيَصْلَىٰ سَعِيرًا ﴾
(الأنشقاق: ١٢٥-١٣٠)

ترجمہ: (تو اس وقت) جس شخص کے داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ دیا جائے گا۔ اس کا حساب تو بال آسانی سے لیا جائے گا۔ اور وہ اپنے اہل کی طرف ہنسی خوشی لوٹ آئے گا۔ ہاں جس شخص کا اعمال نامہ اس کی پٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔ تو وہ موت کو بلانے لگے گا۔ اور وہ بھڑکتی ہوئی جہنم میں داخل ہوگا)

نیز فرمایا: ﴿فَمَا مِنْ أَوْتَىٰ كِتَابِهِ بِشِمَالِهِ يَقُولُ يَا بُنَيَّ لِمَ أَوتِيَكَ كِتَابِي﴾ (الحاقة: ۲۵)
(لیکن جسے اس (کے اعمال) کی کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں دی جائے گی، وہ تو کہے گا کہ کمال
کہ مجھے میری کتاب دی ہی نہ جاتی۔)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

عن عائشة رضي الله عنها أنها سألت النبي ﷺ: هل تذكرن أهليكم؟ قال: [أما في ثلاثه مواطن فلا يذكر أحد أحدًا: عند الميزان حتى يعلم أيخف ميزانه أم يثقل، وعند تطاير الصحف حتى يعلم أين يقع كتابه في يمينه أم في شماله أم وراء ظهره، وعند الصراط إذا وضع بين ظهراني جهنم حتى يجوز]

(۹۸) ابوداؤد (۳۷۵۵) حاکم (متدرک: ۵۷۸/۲) الآجری فی الشریعہ: (۳۸۵) یہ روایت حسن عن عائشہ کی سند سے ہے۔ شیخ البانی نے اس روایت کو ضعیف ابی داؤد میں ذکر کیا ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں: اس کی سند صحیح علی شرط المثنین ہے، اگر حسن اور عائشہ میں انقطاع نہ ہوتا۔ امام ذہبی نے حاکم کی موافقت کی ہے۔ یہ حدیث ایک اور طریق سے احمد (۱۱۰/۶) میں بھی ہے، امام بیہقی فرماتے ہیں: اس سند میں ابن لہیعہ ضعیف ہے، اس کی توثیق بھی

(۱) حوض سے متعلق احادیث درجہ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔

(۲) جمع اہل سنت کا حوض کے اثبات پر اجماع ہے۔

صفة الحوض: (حوض کوثر کا تعارف)

حوض کوثر کا طول و عرض ایک ماہ کی مسافت ہے، اور اسکے تمام اطراف کی مسافت برابر ہے، اور اسکے آب خورے آسمان کے ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں اور اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے، اور اسکی خوشبو مشک سے بھی زیادہ عمدہ ہے، دو پر نالوں کے ذریعے اس میں جنت سے پانی آرہا ہے، ایک پر نالا سونے کا اور دوسرا چاندی کا ہے، امت محمدیہ کے اہل ایمان اس پر وارد ہونگے، جو اس میں سے ایک دفعہ پانی پی لے گا وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔ (یہ تمام باتیں صحیحین کی احادیث سے ثابت ہیں) (۱۰۰)

حوض کوثر اب بھی موجود ہے، اسکی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

[وانی والله لانظر الی حوضی الآن] (البخاری) (۱۰۱)

ترجمہ: [اللہ کی قسم میں اس وقت اپنا حوض دیکھ رہا ہوں]

حوض میں نہر کوثر سے پانی آتا ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[واعطانی الکوثر وهو نہر فی الجنة یسیر فی حوض] (۱۰۲)

ترجمہ: [اللہ تعالیٰ نے مجھے کوثر عطا فرمائی ہے جو کہ جنت میں ایک نہر ہے اور اس کا پانی میرے حوض میں پڑ رہا ہے] (احمد نے اسے روایت کیا ہے، ابن کثیر فرماتے ہیں اس کی سند متن حسن ہے)

[۶۲] ولنبینا محمد ﷺ حوض فی القیامة ، ماؤہ اشد بیا ضا من اللبن ، وأحلی من العسل ، وأباريقہ عدد نجوم السماء ، من شرب منه شربة لم یظما بعدھا ابدا .

ترجمہ: قیامت میں ہمارے نبی ﷺ کو حوض عطا کیا جائے گا جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا، اور اس پر آسمان کے ستاروں کے برابر آب خورے رکھے ہونگے، جس نے اس میں سے ایک دفعہ پانی پی لیا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔

..... شرح

الحوض (حوض کوثر)

حوض کا لغوی معنی، جمع کرنا ہے، حاض الماء اس نے پانی جمع کیا۔ حوض کا اطلاق اس جگہ پر بھی ہوتا ہے جہاں پانی جمع ہو۔ شریعت میں حوض سے مراد وہ تالاب ہے جس میں نہر کوثر سے پانی نازل ہوگا اور قیامت کے دن جناب محمد ﷺ کو دیا جائے گا، (جسے عرف عام میں حوض کوثر کہا جاتا ہے) حوض، سنت متواترہ اور اجماع اہل سنت سے ثابت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [انی فرطکم علی الحوض] (متفق علیہ) (۹۹)

ترجمہ: [میں حوض کوثر پر تمہارا منتظر ہوں گا]

سلف صالحین اور جمع اہل سنت کا حوض کوثر کے اثبات اور برحق ہونے پر اجماع و اتفاق ہے، البتہ معزز لداس کے انکاری ہیں، ہم دو امور سے ان کا رد کرتے ہیں۔

(۹۹) البخاری: کتاب الرقاق: باب فی الحوض (۲۵۸۳، ۲۵۸۴)

مسلم: کتاب الفضائل: باب اثبات حوض نبینا ﷺ (۲۲۹۰، ۲۲۹۱)

☆ ابن ابی العزیز الطحاوی (۲۷۷/۱) میں فرماتے ہیں: ”حوض کے متعلق احادیث حد تواتر تک پہنچ چکی ہیں، تیس سے زائد صحابہ نے ان احادیث کو روایت کیا ہے، ہمارے شیخ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ”البدایہ والنہایہ“ میں حوض کے متعلق احادیث کے تمام طرق کو جمع کیا ہے۔ (۲۲۹۰، ۲۲۹۱/۱)

(۱۰۰) بخاری: کتاب الرقاق: باب فی الحوض: (۲۵۷۹، ۲۵۸۰)

مسلم: کتاب الفضائل: باب اثبات حوض نبینا ﷺ وصفاته (۲۲۹۲، ۲۲۳۰، ۲۳۰۱)

(۱۰۱) بخاری کتاب الرقاق: باب فی الحوض: (۲۵۹۰)

(۱۰۲) نہایۃ البدایہ والنہایۃ (۲/۲۴۴) سند میں ابن لہیعۃ ضعیف راوی ہے۔

قیامت کے دن ہر نبی کا حوض ہوگا، البتہ ہمارے نبی ﷺ کا حوض سب سے بڑا ہوگا اور سب سے زیادہ لوگ بھی ہمارے نبی ﷺ کے حوض پر آئیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[ان لكل نبی حوضا وانهم لیتباهون ایہم اکثر واردة وانی لارجو ان اکون اکثرهم واردة] (رواہ الترمذی)

ترجمہ: [ہر نبی کا حوض ہوگا اور انبیاء کرام اس بات پر فخر کریں گے کہ کس کے حوض پر زیادہ لوگ آئے ہیں اور مجھے پوری پوری امید ہے کہ سب سے زیادہ لوگ میرے حوض پر آئیں گے]

(اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور غریب کہا ہے، ابن ابی الدنیا اور ابن ماجہ نے اسے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، اس حدیث کی سند میں ضعف ہے، لیکن اہل علم نے تعدد طرق کی وجہ سے اس حدیث کو صحیح کہا ہے) (۱۰۳)



(۱۰۳) یہ حدیث صحیح ہے۔ الترمذی: (۲۴۳۳) وقال حدیث غریب۔ ابن حجر العسقلانی (فتح الباری: ۱۱/۴۶۷) میں فرماتے ہیں: امام ترمذی نے اس حدیث کے موصول اور مرسل ہونے میں اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ کہ مرسل زیادہ صحیح ہے۔ میں کہتا ہوں مرسل کو ابن ابی دنیا نے صحیح سند کے ساتھ حسن سے روایت کیا ہے۔ حسن کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [ہر نبی کا حوض ہوگا اور وہ اپنے حوض پر کھڑا ہوگا اس کے ہاتھ میں لاشی ہوگی جس کے ذریعہ وہ اپنی امت میں سے جن کو پہچان لے گا بلائے گا، انبیاء آپس میں کثرت تمعین کی بناء پر ایک دوسرے پر فخر کریں گے، اور مجھے امید ہے کہ میرے پیروکار سب سے زیادہ ہوں گے۔] طبرانی نے اسے ایک اور سند سے سرحدی رضی اللہ عنہ سے موصولاً و مرفوعاً روایت کیا ہے، لیکن اس کی سند میں کمزوری ہے۔ ابن ابی دنیا نے بھی ابوسعید سے مرفوعاً ذکر کیا ہے: [ہر نبی اپنی امت کو بلائے گا، اور ہر نبی کا حوض ہوگا، بعض نبیوں کے پاس چھوٹی چھوٹی جماعتیں آئیں گی بعض کے پاس بڑے بڑے گروہ آئیں گے، بعض کے پاس ایک آئے گا بعض کے پاس دو آئیں گے اور بعض ایسے بھی ہوں گے جن کے پاس کوئی بھی نہیں آئے گا، قیامت کے دن سب سے زیادہ پیروکار میرے ہوں گے۔] اس سند میں بھی کمزوری ہے، اگر یہ حدیث ثابت بھی ہو جائے تو ایسی صورت میں اکثر جس کا پانی حوض میں پڑے گا، ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ مختص ہے کیونکہ اس کی مثل کسی اور نبی کیلئے ثابت نہیں ہے۔“

شیخ البانی نے اس حدیث کو الصحیح (۱۵۸۹) میں صحیح کہا ہے۔

[۶۳] والصراط حق یجوزہ الابرار و یزل عنه الفجار .

ترجمہ: پل صراط برحق ہے، نیک لوگ اسے عبور کر جائیں گے اور فاجر و فاسق قسم کے لوگ پھسل کر گر پڑیں گے۔

..... شرح

الصراط (پل صراط)

الصراط کا لغوی معنی راستہ ہے۔ شریعت میں اس سے مراد وہ پل ہے جسے جہنم کے اوپر رکھا جائے گا تاکہ اسے عبور کر کے لوگ جنت تک پہنچیں۔

پل صراط، کتاب و سنت اور اقوال سلف صالحین سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا﴾ (مریم: ۷۱)

ترجمہ: (تم میں سے ہر ایک وہاں ضرور وارد ہونے والا ہے)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، قنادة اور زید بن اسلم رحمہما اللہ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ اس سے مراد پل صراط سے گزرنا ہے۔ جبکہ ابن عباس اور دیگر مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد سب کا جہنم میں داخل ہونا ہے، پھر اہل ایمان نجات پا جائیں گے۔

سنت سے دلیل: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[ثم يضرب الجسر على جهنم وتحل الشفاعة ويقولون اللهم سلم سلم] (۱۰۴)

ترجمہ: [اور جہنم پر پل رکھ دیا جائے گا اور شفاعت کی اجازت دے دی جائے گی اور لوگ، اے اللہ سلامت رکھ، اے اللہ سلامت رکھ، پکار رہے ہوں گے] (متفق علیہ)

جنت اہل سنت پل صراط کے اثبات پر متفق ہیں۔

صفة الصراط (پل صراط کی سی سی)

رسول اللہ ﷺ سے پل صراط کے متعلق پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱۰۴) یہ حدیث ابوسعید خدری کی طویل حدیث کا ایک جزء ہے، البخاری: کتاب التوحید: باب قول اللہ تعالیٰ ﴿وَجُوهٌ

[مد حضنة منزلة عليها خطا طيف و كلاليب و حسكة مفلطحة لها شوكة عقلاء
تكون بنجد يقال لها السعدان] (رواه البخاري) (۱۰۵)

ترجمہ: [اس پر پھسلن ہوگی، اور اس پر لوہے کے نوک دار کنڈے اور کانٹے ہونگے، وہ لوہے کے
کنڈے سعدان نامی جھاڑی کے کانٹوں کی طرح ہونگے جو نجد میں پائی جاتی ہے]
اور بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ الفاظ بھی ہیں:

[وبہ كلاليب مثل شوک السعدان غير انها لا يعلم ما قدر عظمها الا الله
يخطف الناس باعمالهم] (۱۰۶)

ترجمہ: [اور اس پر سعدان نامی جھاڑی کے کانٹوں کی طرح کنڈے ہونگے لیکن اس کے
دندانوں کی لمبائی کی مقدار کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، وہ کنڈے لوگوں کو ان کے اعمال کی مناسبت
سے گھسیٹ لیں گے]

اور صحیح مسلم میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں:

[بلغني انه ادق من الشعر واحد من السيف] (۱۰۷)

[کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ پل صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے]

ان الفاظ کو امام احمد نے عائد کر رکھے ہیں اللہ عنہما سے مرفوعاً بیان کیا ہے۔

العبور على الصراط وكيفيته

(لوگ پل صراط کو کیسے عبور کریں گے)

صرف مؤمن ہی پل صراط کو عبور کر پائیں گے، اور وہ بھی اپنے اپنے اعمال کی مقدار کے مطابق۔

چنانچہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے بیان فرماتے ہیں:

(۱۰۵) یہ بھی مذکورہ ابوسعید خدری کی طویل حدیث کا جزء ہے (بخاری و مسلم)

(۱۰۶) بخاری: کتاب الرقاق: باب الصراط جسر جهنم (۶۵۷۳)

مسلم: کتاب الايمان: باب معرفة طريق الرؤية (۱۸۲) (۲۹۹)

(۱۰۷) امام مسلم نے ابوسعید خدری کے اس قول کو ابوسعید کی مذکورہ طویل حدیث کے بعد ذکر کیا ہے۔ ابوسعید خدری

کے اس بلاغ پر ابن جریر عسقلانی نے فتح الباری (۱۱/۳۵۳) میں عمدہ بحث کی ہے

[..... فيمر المؤمنون كطرف العين وكالبرق وكالطير وكأجاويد

الخيال والركاب فجاج مسلم ومخدوش ومرسل ومكدوس في جهنم] (۱۰۸)

ترجمہ: [مؤمن پلک جھپکنے کی طرح (انتہائی تیزی سے) عبور کر جائیں گے، جبکہ بعض بجلی کی طرح
اور کچھ تیز رفتار ہوا کی طرح اور کچھ تیز رفتار پرندے کی طرح اور کچھ اعلیٰ قسم کے تیز رفتار گھوڑوں اور
اونٹوں کی طرح عبور کریں گے، بہر حال کچھ تو صحیح سالم تیزی کے ساتھ عبور کر جائیں گے، جبکہ کچھ زخمی
ہو کر بالآخر پار کر کے نکل جائیں گے اور کچھ کو اس پل کی دھار سے کٹا کر جہنم میں ڈھکیل دیا جائے گا]

ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں: [تجری بهم أعمالهم ونبیكم قائم على الصراط يقول
يارب سلم سلم حتى تعجز أعمال العباد حتى يجيء الرجل فلا يستطيع السير الا
زحفا] (مسلم) (۱۰۹)

ترجمہ: [اور پل صراط پر لوگوں کو ان کے اعمال چلا رہے ہوں گے اور تمہارے نبی ﷺ پل صراط کے
(سرے) پر کھڑے ہوں گے اور یہ دعا کر رہے ہونگے: اے اللہ سلامتی سے پار لگا دے، اے اللہ
سلامتی سے پار لگا دے، حتیٰ کہ کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے کہ جن کے اعمال انہیں نہیں چلا سکیں گے تو وہ
گھسٹ گھسٹ کر چل رہے ہوں گے]

صحیح بخاری کے الفاظ یوں ہیں [حتى يمر آخرهم يسحب سحباً] (۱۱۰)

ترجمہ: [کہ آخری آدمی اس طرح گزرے گا گویا اسے گھسیٹ کر لے جایا جا رہا ہے]

انبیاء میں سب سے پہلے ہمارے نبی ﷺ عبور کریں گے، اور امتوں میں سب سے پہلے محمد ﷺ کی
امت، کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

[فأكون أنا وأمتي أول من يجيزها ولا يتكلم يومئذ الا الرسل ودعاء الرسل

يومئذ اللهم سلم سلم] (رواه البخاري)

(۱۰۸) اس کی تخریج گزر چکی ہے۔

(۱۰۹) مسلم: کتاب الايمان: باب ادنى اهل الجنة منزلة (۱۹۵) (۳۲۹)

(۱۱۰) البخاری: کتاب التوحيد: باب قول الله تعالى: ﴿هو جوه يومئذ ناضرة﴾ (۷۳۳۹)

..... شرح

الشفاعة:

شفاعت، لغت میں طاق عدد کو جفت بنانے کو کہتے ہیں، جبکہ شرعی اصطلاح میں کسی شخص کو کوئی فائدہ پہنچانے یا اس کی کوئی تکلیف زائل کرنے کیلئے واسطہ بننا، شفاعت کہلاتا ہے۔

قیامت کے دن جو شفاعت ہوگی اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) شفاعتِ خاصہ: یہ شفاعت آپ ﷺ کیلئے مخصوص ہے۔

(۲) شفاعتِ عامہ: یہ شفاعت آپ ﷺ ہی فرمائیں گے اور دیگر بھی۔

شفاعتِ خاصہ جو کہ آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے سے مراد شفاعتِ عظمیٰ ہے۔ اس کی کچھ تفصیل اس طرح ہے کہ میدانِ محشر میں لوگ تکلیف و پریشانی کے عالم میں کھڑے ہوں گے، جب یہ تکلیف ناقابلِ برداشت ہو جائے گی، تو لوگ آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے پاس باری باری آئیں گے اور درخواست کریں گے کہ اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں کہ وہ ہمیں میدانِ محشر کی اس تکلیف و پریشانی سے نجات دے، لیکن یہ سب انبیاء کرام معذرت کر لیں گے، پھر یہ سب لوگ محمد ﷺ کے پاس آئیں گے تو آپ ﷺ شفاعت فرمائیں گے، آپ ﷺ کی شفاعت قبول کر کے اللہ تعالیٰ لوگوں کا حساب لینے کیلئے آئے گا۔

شفاعتِ عظمیٰ کی یہ تفصیل حدیثِ صورت میں مذکور ہے، جو اگرچہ عند الناس مشہور ہے، لیکن اسکی سند ضعیف ہے، اسکے کچھ راوی متکلم فیہ ہیں (۱۱۲) (جبکہ مذکورہ قصہ صحیح احادیث میں بھی موجود ہے)

(۱۱۲) یہ حدیث ضعیف ہے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے، اس کی سند میں اسماعیل بن رافع ہے۔ جو کہ ضعیف ہے۔ اور محمد بن یزید یا زیاد ہے جو کہ مجہول ہے، ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۲/۱۳۶، ۱۳۸) میں اس حدیث کو طبرانی کے حوالے سے ذکر کیا ہے، اور کہا ہے: یہ حدیث مشہور ہے لیکن انتہائی غریب ہے۔ البتہ مختلف احادیث میں اسکے شواہد ہیں، اس حدیث کے بعض الفاظ میں نکارت ہے، اس کی سند میں اسماعیل بن رافع مفرد ہے۔ بعض نے اس کی توثیق کی ہے اور بعض نے اس کی تضعیف، اس کی حدیث کے منکر ہونے کی بہت سے ائمہ نے صراحت کی ہے.....

مزید دیکھیے النہایۃ لابن کثیر (۲۵۳/۱)

ترجمہ: [پہلے صراط کو] سب سے پہلے میں اور میری امت عبور کرے گی، اس دن رسولوں کے علاوہ کوئی بات نہیں کر سکے گا، اس دن رسول یہ دعا کر رہے ہوں گے: اے اللہ سلامت رکھ، اے اللہ سلامت رکھ [۱۱۱]



[۶۴] ويشفع نبينا ﷺ فيمن دخل النار من أمته من أهل الكبار فيخرجون بشفاعته بعد ما احترقوا وصاروا فحما حمما فيدخلون الجنة بشفاعته.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے اہل کبار کیلئے جو جہنم میں جا چکے ہوں گے اور جل کر کونکہ بن چکے ہوں گے، شفاعت فرمائیں گے، چنانچہ آپ ﷺ کی شفاعت کے نتیجے میں وہ جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہوں گے۔

[۶۵] ولسائر الأنبياء والمؤمنين والملائكة شفاعات. قال تعالى:

﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشِيئَتِهِ مَشْفُقُونَ﴾ (الانبیاء: ۲۸)

ترجمہ: دیگر انبیاء کرام، اہل ایمان اور فرشتے بھی شفاعت کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: (وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے بجز ان کے جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہو وہ تو خود ہیبت

الہی سے لرزاں و ترساں ہیں)

[۶۶] ولاتنفع الكافر شفاعة الشافعين.

ترجمہ: کافروں کو کسی کی شفاعت نفع نہیں دیگی۔

ترجمہ: [اہل صراط کو] سب سے پہلے میں اور میری امت عبور کرے گی، اس دن رسولوں کے علاوہ کوئی بات نہیں کر سکے گا، اس دن رسول یہ دعا کر رہے ہوں گے: اے اللہ سلامت رکھ، اے اللہ سلامت رکھ [۱۱۱]



[۶۴] ویشفع نبینا ﷺ فیمن دخل النار من أمتہ من أهل الکبائر فیخرجون بشفا عتہ بعد ما احترقوا وصاروا فحما حمما فیدخلون الجنة بشفا عتہ .

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ اپنی امت کے اہل کبائر کیلئے جو جہنم میں جا چکے ہوں گے اور جل کر کونکہ بن چکے ہوں گے، شفاعت فرمائیں گے، چنانچہ آپ ﷺ کی شفاعت کے نتیجے میں وہ جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہوں گے۔

[۶۵] ولسائر الأنبياء والمؤمنين والملائكة شفاعات . قال تعالى:

﴿ولا يشفعون إلا لمن ارتضى وهم من خشيته مشفقون﴾ (الانبیاء: ۲۸)

ترجمہ: دیگر انبیاء کرام، اہل ایمان اور فرشتے بھی شفاعت کریں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: (وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے بجز ان کے جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہو وہ تو خود ہیبت الہی سے لرزاں و ترساں ہیں)

[۶۶] ولا تنفع الکافر شفاعۃ الشافعين .

ترجمہ: کافروں کو کسی کی شفاعت نفع نہیں دیگی۔

..... شرح

الشفاعة:

شفاعت، لغت میں طاق عدد کو جفت بنانے کو کہتے ہیں، جبکہ شرعی اصطلاح میں کسی شخص کو کوئی فائدہ پہنچانے یا اس کی کوئی تکلیف زائل کرنے کیلئے واسطہ بننا، شفاعت کہلاتا ہے۔

قیامت کے دن جو شفاعت ہوگی اس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) شفاعتِ خاصہ: یہ شفاعت آپ ﷺ کیلئے مخصوص ہے۔

(۲) شفاعتِ عامہ: یہ شفاعت آپ ﷺ ہی فرمائیں گے اور دیگر بھی۔

شفاعتِ خاصہ جو کہ آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے سے مراد شفاعتِ عظمیٰ ہے۔ اس کی کچھ تفصیل اس طرح ہے کہ میدانِ محشر میں لوگ تکلیف و پریشانی کے عالم میں کھڑے ہوں گے، جب یہ تکلیف ناقابلِ برداشت ہو جائے گی، تو لوگ آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے پاس باری باری آئیں گے اور درخواست کریں گے کہ اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں کہ وہ ہمیں میدانِ محشر کی اس تکلیف و پریشانی سے نجات دے، لیکن یہ سب انبیاء کرام معذرت کر لیں گے، پھر یہ سب لوگ محمد ﷺ کے پاس آئیں گے تو آپ ﷺ شفاعت فرمائیں گے، آپ ﷺ کی شفاعت قبول کر کے اللہ تعالیٰ لوگوں کا حساب لینے کیلئے آئے گا۔

شفاعتِ عظمیٰ کی یہ تفصیل حدیثِ صورت میں مذکور ہے، جو اگرچہ عند الناس مشہور ہے، لیکن اسکی سند ضعیف ہے، اسکے کچھ راوی متکلم فیہ ہیں (۱۱۲) (جبکہ مذکورہ قصہ صحیح احادیث میں بھی موجود ہے)

(۱۱۲) یہ حدیث ضعیف ہے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے، اس کی سند میں اسماعیل بن رافع ہے۔ جو کہ ضعیف ہے۔ اور محمد بن یزید یا زیاد ہے جو کہ مجہول ہے، ابن کثیر نے اپنی تفسیر (۲/۱۳۶، ۱۳۸) میں اس حدیث کو طبرانی کے حوالے سے ذکر کیا ہے، اور کہا ہے: یہ حدیث مشہور ہے لیکن انتہائی غریب ہے۔ البتہ مختلف احادیث میں اسکے شواہد ہیں، اس حدیث کے بعض الفاظ میں نکارت ہے، اس کی سند میں اسماعیل بن رافع مقرر ہے۔ بعض نے اس کی توثیق کی ہے اور بعض نے اس کی تضعیف، اس کی حدیث کے منکر ہونے کی بہت سے ائمہ نے صراحت کی ہے.....

مولف رحمہ اللہ نے صرف اہل کبار کی شفاعت کے ذکر پر اکتفا کیا ہے (یعنی شفاعت خاصہ کا ذکر نہیں کیا) جس کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام ابن کثیر اور طحاویہ کے شارح فرماتے ہیں: کہ سلف صالحین نے جو اہل کبار کی شفاعت کے ذکر پر اکتفاء فرمایا ہے اس سے ان کا مقصود خوارج اور ان کے پیروکار معز لہ کا رد ہے، کیونکہ شفاعت عظمیٰ یعنی شفاعت خاصہ کا معز لہ خوارج انکار نہیں کرتے، صرف اس میں اللہ تعالیٰ کے اذن کی شرط لگاتے ہیں، اذن کی شرط کیلئے وہ یہ آیت بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ (البقرة: ۲۵۵)

ترجمہ: (کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے)

دوسری قسم شفاعت عامہ ہے، یہ مومنین اہل کبار کیلئے ہوگی، جو جہنم میں جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے، شفاعت کے ذریعہ جہنم سے نکال لیے جائیں گے۔ اس کی دلیل ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے:

قال رسول الله ﷺ: [أما أهل النار الذين هم أهلها فلا يموتون فيها ولا يحيون ولكن أناس أو كما قال تصيبهم النار بذنوبهم أو قال بخطاياهم فيميتهم أمانا حتى إذا صاروا فحما أذن في الشفاعة] (احمد) (۱۱۳)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [جہنمی جہنم میں زندہ ہونگے نہ مردہ، بلکہ انہیں ان کے گناہوں کے مطابق آگ پہنچے گی، جس سے ان کی حالت مردوں جیسی ہو جائے گی، جب وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے، تو ان کے حق میں شفاعت کی اجازت دے دی جائیں گی]

ابن کثیر نے اس حدیث کے متعلق کہا ہے: اس کی سند صحیح ہے، بخاری و مسلم کی شرط پر ہے البتہ بخاری و مسلم نے اسے اس سند سے روایت نہیں کیا (النهاية)

شفاعت کی اس قسم میں محمد ﷺ، دیگر انبیاء، فرشتے اور مومنین سب شریک ہیں، اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

[فيقول الله تعالى: شفعت الملائكة وشفع النبيون وشفع المؤمنون ولم يبق إلا أرحم الراحمين فيقبض قبضة من النار فيخرج منها قوما لم يعملوا خيرا قط]

قد دعا دواحمما [متفق علیہ] (۱۱۴)

ترجمہ: [اللہ تعالیٰ فرمائے گا: فرشتے، انبیاء اور مومنین سب شفاعت کر چکے صرف ارحم الراحمین باقی ہے، پھر اللہ تعالیٰ جہنم سے مٹھی بھرے گا اور ایسے لوگوں کو نکال لے گا جنہوں نے کبھی کوئی نیکی نہیں کی ہوگی، ان کی حالت یہ ہوگی کہ جل کر کوئلہ ہو چکے ہوں گے]

معز لہ اور خوارج نے شفاعت کی اس قسم کا انکار کیا ہے، کیونکہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ ہمیشہ کاجہنمی ہے، لہذا اسے شفاعت نفع نہیں دے گی۔

ہم درج ذیل امور سے ان کا رد کرتے ہیں:

(۱) یہ نظریہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت شدہ احادیث متواترہ کے مخالف ہے۔

(۲) یہ نظریہ سلف صالحین کے اجماع کے مخالف ہے۔

شفاعت کی اس قسم کیلئے دو شرطیں ہیں۔

اولاً: شفاعت کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾ (البقرة: ۲۵۵)

ترجمہ: (کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے)

ثانیا: شافع اور مشفوع لہ (شفاعت کرنے والا، اور جس کیلئے شفاعت کی جا رہی ہے) کیلئے اللہ تعالیٰ کی رضا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَى﴾ (الانبياء: ۲۸)

ترجمہ: (وہ کسی کی بھی سفارش نہیں کرتے بجز ان کے جن سے اللہ تعالیٰ خوش ہو)

البتہ کافروں کیلئے شفاعت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ لَشَاعِينَ﴾ (المذثر: ۲۸)

ترجمہ: (انہیں سفارش نفع نہیں دے گی)

یعنی بالفرض اگر کوئی ان کی شفاعت کرے بھی تو بھی انہیں شفاعت نفع نہیں دے گی۔

جہاں تک ابوطالب کے حق میں آپ ﷺ کی شفاعت کرنے کا معاملہ ہے کہ آپ ﷺ کی شفاعت کے نتیجہ میں وہ جہنم کے ضحضاح طبقہ میں ہوگا اور سے جہنم کے دو جوتے پہنائے جائیں گے، جس سے اس کا دماغ ابل رہا ہوگا اور یہ جہنم کا ہلکا ترین عذاب ہوگا، جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

[ولو لا أنا لكان في الدرك الأسفل من النار] (مسلم) (۱۱۵)

[یعنی اگر میں نہ ہوتا تو ابوطالب جہنم کے انتہائی نچلے طبقے میں ہوتا]

شفاعت کا یہ معاملہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کے ساتھ خاص ہے، اس خصوصیت کی بظاہر جو وجہ نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے آپ ﷺ کی بہت مدد کی، آپ اور آپ ﷺ کے دین کا خوب دفاع کیا۔ (واللہ اعلم)



[۶۷] الجنة والنار مخلوقتان لا تغنيان، فالجنة مأوى أوليائه، والنار عقاب لأعدائه، وأهل الجنة فيها مخلدون:

﴿ان المجرمين في عذاب جهنم خالدون. لا يفتر عنهم وهم فيه مبلسون﴾ (الزخرف: ۷۴، ۷۵)

ترجمہ: جنت اور جہنم اللہ کی دو مخلوق ہیں جو کبھی فنا نہیں ہوگی جنت اللہ کے دوستوں کی آرام گاہ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور جہنم اللہ کے دشمنوں کیلئے ایک سزا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ: (بیشک گناہ گار لوگ عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ عذاب کبھی بھی ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے)

..... شرح

الجنة والنار (جنت اور جہنم)

لغت میں جنت ایسے باغ کو کہتے ہیں جس میں درخت زیادہ ہوں، جبکہ شریعت میں اس سے مراد وہ گھر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں متقین کیلئے تیار کیا ہوا ہے۔

النار کا لغوی معنی تو معروف ہے یعنی آگ، جبکہ شریعت میں اس سے مراد وہ گھر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آخرت میں کفار کیلئے تیار کیا ہوا ہے۔

جنت اور جہنم دونوں پیدا ہو چکی ہیں، اور اب بھی موجود ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اعدت للمتقين﴾ (آل عمران: ۱۳۳)

ترجمہ: (اسے) جنت کو) متقین کیلئے تیار کیا گیا ہے)

اور جہنم کے متعلق فرمایا: ﴿اعدت للكافرين﴾ (البقرة: ۲۴)

ترجمہ: (اسے) جہنم کو) کفار کیلئے تیار کیا گیا ہے)

ان دونوں آیتوں میں ”اعدت“ کا لفظ وارد ہوا ہے، جو تیار شدہ چیز کیلئے مستعمل ہے۔

اور اس کی دوسری دلیل نبی ﷺ کا وہ فرمان ہے جو آپ ﷺ نے صلوٰۃ الکسوف ادا فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا:

[انسی رأیت الجنة فتناولت منها عنقوداً ولو أخذته لأكلتم منه ما بقيت الدنيا ورأيت النار فلم أر كاليوم منظرًا قط أقطع منها] (متفق علیہ) (۱۱۶)

ترجمہ: [میں نے جنت دیکھی اور اس کا خوشہ پکڑا (لیکن پھر چھوڑ دیا) اگر میں اسے لے لیتا تو رہتی دنیا تک تم اسے کھاتے رہتے، اور میں نے جہنم بھی دیکھی میں نے اس منظر سے بڑھ کر ڈراؤنا اور خوفناک منظر کبھی نہیں دیکھا]

جنت اور جہنم کبھی فنا بھی نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

(۱۱۶) البخاری: کتاب الکسوف: باب صلاة الکسوف جماعة (۱۰۵۲)

﴿ جزاء هم عند ربهم جنت عدن تجري من تحتها الانهر خالدين فيها ابدًا ﴾
ترجمہ: (ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس بیشک والی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے) (البقرہ: ۸)
جنتی کی جنت میں ابدیت اور بیشک بہت سی آیات میں مذکور ہے، البتہ جہنمیوں کی ابدیت کا بھی مقام پر ذکر ملتا ہے۔

(۱) سورة النساء میں: ﴿ ولا يلهيهم طريقا . الا طريق جهنم خالدين فيها ابدًا ﴾
(النساء: ۱۶۸، ۱۶۹)
ترجمہ: (اور نہ اللہ انہیں کوئی راہ دکھائے گا۔ بجز جہنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے)
(۲) سورة الاحزاب میں: ﴿ ان الله لعن الكافرين واعد لهم سعيرا . خالدين فيها ابدًا ﴾ (الاحزاب: ۶۴، ۶۵)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کیلئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے)
(۳) سورة الجن میں: ﴿ ومن يعص الله ورسوله فان له نار جهنم خالدين فيها ابدًا ﴾
(الجن: ۲۳)
ترجمہ: (جو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اس کیلئے جہنم کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا)

نیز فرمایا: ﴿ ان المجرمين في عذاب جهنم خالدون . لا يفترون عنهم وهم فيه مبدسون ﴾ (الزخرف: ۷۴، ۷۵)

ترجمہ: (بیشک گناہ گار لوگ عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ عذاب کبھی بھی ان سے ہٹا نہ کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے)

مكان الجنة والنار (جنت اور جہنم کہاں ہیں)

﴿ كلا ان كتاب الابرار لفي عليين ﴾ (المطففين: ۱۸)
ترجمہ: (یقیناً نیکوکاروں کا نامہ اعمال علیین میں ہے)
براء بن عازب کی فتنہ قبر کے متعلق مشہور حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں: [فيقول الله عز وجل اكتبوا كتاب عبدی فی علیین وأعیدوه الی الارض] (۱۱۷)
ترجمہ: [میرے بندے کی کتاب علیین میں لکھ دو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو]

جبکہ جہنم اسفل السافلین میں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ كلا ان كتاب الفجار لفي سجين ﴾ (المطففين: ۷)

ترجمہ: (یقیناً بدکاروں کا نامہ اعمال سجین میں ہے)

براء بن عازب کی مذکورہ حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

[فيقول الله تعالى اكتبوا كتاب عبدی فی سجین فی الارض السفلی] (۱۱۸)

ترجمہ: [اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے کی کتاب سجین میں لکھ دو، جو کہ آخری زمین میں ہے]

اهل الجنة واهل النار (جنت اور جہنم کے مستحق کون)

ہر مومن متقی جنتی ہے، کیونکہ یہی حقیقی اولیاء اللہ ہیں، اللہ تعالیٰ کا جنت کے متعلق فرمان ہے:

﴿ اعدت للمتقين ﴾ (آل عمران: ۱۳۳)

ترجمہ: (اے جنت کو) متقین کیلئے تیار کیا گیا ہے)

نیز فرمایا: ﴿ اعدت للذين آمنوا بالله ورسوله ﴾ (الحديد: ۲۱)

ترجمہ: (اے جنت) اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایں والوں کیلئے تیار کیا گیا ہے)

جبکہ ہر کافر بد بخت جہنمی ہے، اللہ تعالیٰ نے جہنم کے متعلق فرمایا:

﴿ اعدت للكافرين ﴾ (البقرة: ۲۴) ترجمہ: (اے جہنم کو) کفار کیلئے تیار کیا گیا ہے)

مزید فرمایا: ﴿ فاما الذين شقوا في النار ﴾ (هود: ۱۰۶)

ترجمہ: (لیکن جو بد بخت ہوئے وہ دوزخ میں ہوں گے)

(۱۱۷، ۱۱۸) براء بن عازب کی اس مشہور حدیث کی عزت مندوں کے احوال اور فتنہ القبر کی بحث میں گزر چکی ہے

[۶۸] ویؤتی بالموت فی صورة کبش أملح ، فیذبح بین الجنة والنار ، ثم یقال : یا أهل الجنة خلود ولاموت ، ویأهل النار خلود ولاموت .

ترجمہ: اور موت کو ایک چتکبرے مینڈے کی صورت میں لایا جائے گا اور اسے جنت اور جہنم کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا، پھر کہا جائے گا: اے اہل جنت اب یہاں ہمیشہ رہنا ہے، کسی کو موت نہیں آئے گی، اور اہل نار اب یہاں ہمیشہ رہنا ہے، اب کسی کو موت نہیں آئے گی۔

..... شرح

ذبح الموت (موت کی موت)

موت خاتمہ حیات کا نام ہے اور ہر نفس نے موت کو چکھنا ہے، موت ایک معنوی اور غیر محسوس امر ہے (جسے دیکھا نہیں جاسکتا) لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے دکھائی دینے والی اور مجسم چیز بنادے گا، اور پھر اسے جنت اور جہنم کے بیچ ذبح کر دیا جائے گا۔

اس کی دلیل ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[یؤتی بالموت کھینٹہ کبش أملح فینادی مناد یا أهل الجنة فیشرئبون وینظرون فیقول: هل تعرفون ما هذا؟ فیقولون: نعم هذا الموت وکلهم قد رآه ثم ینادی یا أهل النار فیشرئبون وینظرون فیقول: هل تعرفون هذا؟ فیقولون نعم هذا الموت وکلهم قد رآه فیذبح ثم یقول: یا أهل الجنة خلود فلاموت ویأهل النار خلود فلاموت الم قرأوا واندروهم یوم الحسرة اذ قضی الامر وهم فی غفلة وهم لا یؤمنون] (المريم: ۳۹) (بخاری)

ترجمہ: قیامت کے دن موت کو ایک چتکبرے مینڈے کی صورت میں لایا جائے گا پھر ایک منادی کرنے والا آواز دے گا: اے اہل جنت تو وہ نظر اٹھا کر دیکھیں گے تو وہ کہے گا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے: یہ موت ہے۔ یہ سب موت کو پہلے دیکھ چکے ہونگے۔ پھر وہ آواز دے گا: اے اہل دوزخ تو

وہ نظر اٹھا کر دیکھیں گے، وہ کہے گا: کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ کہیں گے ہاں یہ موت ہے۔ یہ سب موت کو پہلے دیکھ چکے ہونگے۔ پھر اس مینڈے کو ذبح کر دیا جائے گا اور آواز دینے والا کہے گا: اے اہل دوزخ اب یہاں ہمیشہ رہنا ہے اب کسی کو موت نہیں آئے گی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وانذرهم یوم الحسرة اذ قضی الامر وهم فی غفلة وهم لا یؤمنون﴾

ترجمہ: (تو انہیں اس رنج و افسوس کے دن کا ڈر سنا دے جبکہ کام انجام کو پہنچا دیا جائے گا، اور یہ لوگ غفلت اور بے ایمانی ہی میں رہ جائیں گے) (المريم: ۳۹)

اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب التفسیر میں روایت کیا ہے (۱۱۹) اور اس جیسی ایک اور حدیث ”باب صفة الجنة والنار“ میں عبد اللہ بن عمر کی روایت سے مرفوعاً نقل فرمائی ہے۔ (۱۲۰)



فصل

حقوق النبی ﷺ وأصحابه

نبی ﷺ اور صحابہ کرام کے حقوق کا بیان

[۶۹] ومحمد رسول الله ﷺ خاتم النبي وسيد المرسلين ، لا يصح ايمان عبد حتى يؤمن برسالته ، ويشهد بنبوته ، ولا يقضى بين الناس في القيامة الا بشفاعته ، ولا يدخل الجنة امة الا بعد دخول اُمته .

ترجمہ: محمد (ﷺ) خاتم النبیین اور سید المرسلین ہیں، کسی بھی بندے کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ آپ (ﷺ) کی رسالت پر ایمان نہ لے آئے اور آپ (ﷺ) کی نبوت کی گواہی نہ دے دے۔ قیامت کے دن آپ (ﷺ) کی شفاعت سے ہی لوگوں کے درمیان فیصلے ہوں گے اور آپ (ﷺ) کی امت کے جنت میں داخل ہونے کے بعد ہی دوسری امتیں جنت میں داخل ہوں گی۔

[۷۰] صاحب لواء الحمد والمقام المحمود ، والحوض المورود ، وهو امام النبي وخطيبهم وصاحب شفاعتهم ، أُمته خير الأمم وأصحابه خير أصحاب الأنبياء عليهم السلام .

ترجمہ: (قیامت) کے دن لواء الحمد آپ (ﷺ) کے ہاتھ میں ہوگا، مقام محمود اور حوض کوثر کے مالک آپ (ﷺ) ہوں گے، نبیوں کے امام اور خطیب آپ (ﷺ) ہوں گے، شفاعت عظمیٰ آپ (ﷺ) کے حصے میں آئے گی، آپ (ﷺ) کی امت سب امتوں میں بہتر اور آپ (ﷺ) کے صحابہ تمام انبیاء کے اصحاب سے افضل ہیں۔

..... شرح

اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسکی مخلوق میں سے سب سے افضل رسول ہیں پھر انبیاء پھر صدیقین پھر صحابہ

پھر صالحین۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام طبقات کا ذکر (اسی ترتیب سے) اس آیت میں کیا ہے:

﴿ومن يطع الله والرسول فأولئك مع الذين أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن أولئك رفيقا﴾ (النساء: ۶۹)

ترجمہ: (اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی اور رسول اللہ (ﷺ) کی فرمانبرداری کرے گا، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، جیسے انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور نیک لوگ، یہ بہترین رفیق ہیں)

رسولوں میں افضل، اولوالعزم رسول ہیں اور وہ پانچ ہیں: نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، محمد (صلوات اللہ علیہم) اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دو مقام پر ان کا تذکرہ فرمایا ہے:

(۱) ﴿واخذنا من النبيين ميثاقهم ومنهم من نوح وابراهيم وموسى وعيسى ابن مريم﴾ (الاحزاب: ۷)

ترجمہ: (جب کہ ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور (بالخصوص) آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے)

(۲) ﴿شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذي أوحينا إليك وما وصينا به ابراهيم وموسى وعيسى﴾ (الشورى: ۱۳)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے وہ دین مقرر کیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جو (بذریعہ) وحی ہم نے تیری طرف بھیج دیا ہے، اور جس کا تاکید حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ (ﷺ) اور عیسیٰ (ﷺ) کو دیا تھا)

(اور ان پانچ اولوالعزم رسولوں میں) سب سے افضل محمد (ﷺ) ہیں۔ اس کی دلیل آپ (ﷺ) کا یہ فرمان ہے: [أنا سيد الناس يوم القيامة] (متفق علیہ)

ترجمہ: [میں قیامت کے دن تمام انسانوں کا سردار ہوں گا]

(۱۲۱) البخاری: کتاب التفسیر من سورة بنی اسرائیل: باب ﴿ذرية من حملنا مع نوح﴾ (۴۷۱۲)

مسلم: کتاب الاموال: باب ادنى اجل الجنة منزلة فيها (۱۹۳) (۳۲۷)

معراج کی رات تمام انبیاء کا آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنا بھی آپ ﷺ کے افضل ہونے کی ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

اس کے علاوہ بھی بہت سے دلائل موجود ہیں جو آپ ﷺ کے افضل الرسل ہونے پر دال ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد سب سے افضل ابراہیم علیہ السلام ہیں کیونکہ آپ ابو الانبیاء اور آپ کی ملت تمام ملتوں کی اصل اور بنیاد ہے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام افضل ہیں، کیونکہ وہ انبیاء بنی اسرائیل میں سب سے افضل ہیں اور ان کی شریعت انبیاء بنی اسرائیل کی شریعتوں کی اصل ہے، پھر نوح و عیسیٰ علیہ السلام افضل ہیں ان دونوں کے مابین افضلیت کی بالجمہر تعیین کرنا مشکل ہے، کیونکہ ہر ایک بہت سے فضائل و مناقب کا حامل ہے۔

نبی ﷺ کی ذات اقدس بہت سی خصائص کی مالک ہے، مؤلف رحمہ اللہ نے جن چند خصائص کا ذکر کیا ہے ہم ان پر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں۔

(۱) خاتم النبیین

(یعنی آپ ﷺ آخری نبی و رسول ہیں، آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی دوسرا نبی، رسول نہیں آئے گا) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ﴾
ترجمہ: (لوگو! تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ محمد ﷺ) نہیں، لیکن آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں کے سلسلہ کو ختم کرنے والے ہیں) (الاحزاب: ۴۰)

(۲) سید المرسلین: اس کی دلیل گزر چکی ہے۔

(۳) آپ ﷺ کی (عموم) رسالت پر ایمان لائے بغیر کوئی بندہ مؤمن نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَحْكُمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ﴾ (النساء: ۶۵)

ترجمہ: (قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ ایماندار نہیں ہو سکتے، جب تک کہ آپس کے تمام اختلاف

میں آپ کو حاکم نہ مان لیں)

گویا آپ ﷺ کی رسالت و نبوت جمیع انسانوں کیلئے عام ہے، جبکہ سابقہ انبیاء کرام اپنی اپنی معین قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔

(۴) قیامت کے دن آپ ﷺ کی شفاعت کے بعد ہی لوگوں کے درمیان فیصلے ہوں گے۔ اس کی دلیل شفاعت کے بیان میں گزر چکی ہے۔

(۵) آپ ﷺ کی امت تمام امتوں سے پہلے جنت میں جائے گی، نبی ﷺ کے اس فرمان کے عموم میں یہ بات بھی شامل ہے۔

[نحن الآخرون السابِقون يوم القيامة] (۱۲۲)

ترجمہ: ہم سب سے آخر میں ہیں لیکن قیامت کے دن (ہر معاملہ میں) سب سے آگے ہوں گے۔ اور یہ حدیث پیچھے گزر چکی ہے۔

(۶) قیامت کے دن لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا اور تمام حامدین آپ ﷺ کے جھنڈے تلے ہونگے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[أنا سيد ولد آدم يوم القيامة ولا فخر وبيدي لواء الحمد ولا فخر وما من نبى يومئذ آدم فمن سواه الا تحت لوائى وأنا أول من تنشق عنه الارض ولا فخر] (۱۲۳)
[میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اس میں فخر نہیں ہے، میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اس میں فخر نہیں ہے، آدم اور دیگر تمام انبیاء علیہم السلام سب میرے جھنڈے تلے ہونگے اس میں فخر نہیں ہے۔ (۱۲۲) اس کی تخریج حاشیہ نمبر (۹۱) گزر چکی ہے۔

(۱۲۳) یہ حدیث صحیح ہے۔ ترمذی (۳۱۲۸) (۳۶۱۵) امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ ابن ماجہ (۴۳۰۸) شیخ البانی نے الصحیح (۱۵۷۱) میں صحیح کہا ہے۔ جبکہ مسلم کی روایت کتاب الفصائل: باب تفضیل مینا علی جمیع الخلائق (۲۷۷۸) میں ہے۔ اس میں یہ الفاظ ہیں [أنا سيد ولد آدم يوم القيامة وأول من ينشق عنه القبر وأول شافع وأول مشفع] ترجمہ: [میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور سب سے پہلے قبر سے اٹھایا جاؤں گا اور سب سے پہلے شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائیگی]

نہیں ہے، میں پہلا شخص ہوں گا جس سے زمین پھٹے گی (سب سے پہلے میں قبر سے اٹھوں گا) اس میں [نہیں ہے] (اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے، جبکہ اس حدیث کا پہلا اور آخری حصہ مسلم میں بھی ہے)

(۷) آپ ﷺ صاحب مقام محمود ہیں، یعنی وہ عمل جس پر خالق اور مخلوق سب آپ ﷺ کی حمد کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا﴾ (الاسراء: ۷۹)

ترجمہ: (عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں کھڑا کرے گا)

مقام محمود کا قیامت کے دن آپ ﷺ کے عظیم مناقب میں شمار ہوگا، اسی طرح مقام شفاعت بھی۔

(۸) آپ ﷺ قیامت کے دن حوض کوثر کے مالک ہوں گے۔

قیامت کے دن دیگر انبیاء کو بھی حوض ملیں گے لیکن نبی ﷺ کا حوض سب سے بڑا ہوگا اور سب سے زیادہ لوگ بھی آپ ﷺ کے حوض پر وارد ہوں گے۔

(۹-۱۱) آپ ﷺ انبیاء کے امام، خطیب اور شفیع ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[اذا كان يوم القيامة كنت امام النبیین وخطيبهم وصاحب شفاعتهم غير

فخر] (ترمذی) (۱۲۴)

ترجمہ: [میں قیامت کے دن انبیاء کا امام، خطیب اور ان کا شفیع ہوں گا اس میں فخر نہیں ہے] (امام ترمذی نے اسے روایت کیا اور اسے حسن کہا ہے۔)

(۱۲) آپ ﷺ کی امت تمام امتوں سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

ترجمہ: (تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کیلئے پیدا کیا گیا ہے)

(۱۲۴) یہ حدیث حسن ہے۔ احمد (۱۳۸، ۱۳۷/۵) ترمذی (۳۶۱۵) وقال حدیث حسن (ابن ماجہ (۳۳۱۴)

حاکم (۷۸/۱)، (۷۸/۳) حاکم نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے اور ذہبی نے موافقت کی ہے۔ شیخ البانی نے تخریج مشکاة

(۵۷۶۸) میں حسن کہا ہے۔

یہ آیت اس آیت کے متعارض نہیں ہے:

﴿يا بني اسرائيل اذكروا نعمتي التي اناعمت عليكم واني فضلتكم على

العالمين﴾ (البقرة: ۴۷)

ترجمہ: (اے اولاد یعقوب! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر انعام کی اور میں نے تمہیں تمام جہانوں پر فضیلت دی)

تعارض اس لیے نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کو جن جہانوں پر فضیلت دی گئی وہ سب انہی کے دور کے ہیں۔



[۷۱] وأفضل أمته أبو بكر الصديق، ثم عمر الفاروق، ثم عثمان ذوالنورين، ثم علي المرتضى، رضي الله عنهم أجمعين، لما روى عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: [كنا نقول والنبی ﷺ حى: أفضل هذه الأمة بعد نبیہا أبو بكر، ثم عمر، ثم عثمان، ثم علي، فيبلغ ذلک النبى ﷺ فلا ينكره] (۱۲۵)

ترجمہ: آپ ﷺ کی امت میں سب سے افضل ابو بکر الصديق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر فاروق پھر عثمان ذوالنورین، پھر علی المرتضى رضوان اللہ علیہم اجمعین، اسکی دلیل عبد اللہ بن عمر کا یہ قول ہے: ہم نبی ﷺ کی زندگی میں یہ کہتے تھے: ”کہ اس امت میں نبی ﷺ کے بعد افضل ابو بکر ہیں، پھر عمر، پھر عثمان اور پھر علی المرتضى رضی اللہ عنہم۔ اور آپ ﷺ تک یہ بات پہنچا کرتی، اور آپ ﷺ اس کا انکار نہ فرماتے۔

[۷۲] وصحت الرواية عن علي رضي الله عنه أنه قال: [خير هذه الأمة بعد

نبیہا أبو بكر ثم عمر، ولو شئت لسميت الثالث]

(۱۲۵) اس اثنا تعلق آگے آگے

ترجمہ: علیؑ سے بسند صحیح مروی ہے انہوں نے فرمایا: ”اس امت میں نبی ﷺ کے بعد سب سے افضل شخص ابوبکر ہیں پھر عمر اور میں اگر چاہوں تو تیسرے کا نام بھی بتا دوں۔ (۱۲۶)

[۷۳] وروی أبو الدرداء عن النبی ﷺ أنه قال: [ما طلعت الشمس ولا غربت بعد النبيين والمرسلين علي أفضل من أبي بكر]

ترجمہ: ابودرداء رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

[ما طلعت الشمس ولا غربت بعد النبيين والمرسلين علي أفضل من أبي بكر] [۱۲۷]

ترجمہ: انبیاء و مرسلین کے بعد ابوبکر سے بڑھ کر افضل آدمی پر سورج کبھی طلوع ہوا ہے نہ غروب [

[۷۴] وهو أحق خلق الله بالخلافة بعد النبي ﷺ لفضله وسابقته، وتقديم النبي ﷺ له في الصلاة على جميع الصحابة رضي الله عنهم، واجتماع الصحابة على تقديمه ومبايعته، ولم يكن الله ليجمعهم على ضلالة.

ترجمہ: آپ ﷺ کی وفات کے بعد ابوبکر ہی خلافت کے سب سے زیادہ مستحق اور اہل تھے کیونکہ وہ امت میں سب سے افضل اور سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں اور آپ ﷺ نے (۱۲۶) یہ اثر صحیح ہے۔ احمد (۱۱۶، ۱۰۶/۱) ابن احمد فی زوائدہ (۱۱۰، ۱۰۶/۱) اور احمد فی فضائل الصحابة (۳۹۷) نے اس اثر کو صحیح اور حسن اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ابن ابی عاصم فی کتاب السنۃ (۱۲۰) شیخ البانی نے تخریج السنۃ (۵۷۰/۲) میں صحیح کہا ہے۔

(۱۲۷) اس کی سند ضعیف ہے۔ احمد (فضائل صحابہ: ۱۳۵) ابن ابی عاصم (السنۃ: ۱۲۲۳) اور ابونعیم (۳۲۵/۳) نے ضعیف سند کے ساتھ ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اس حدیث میں بقیۃ اور ابن جریج کا عنعنۃ ہے، جبکہ یہ دونوں مدلس ہیں۔ بیہقی نے مجمع (۴۴/۹) میں ابوالدرداء کی اس حدیث کو طبرانی کبیر کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے اس میں بقیۃ مدلس ہے۔ اور باقی روایت ثقہ ہیں۔ نیز اس میں عبد اللہ بن سفیان الخزاعی الواسطی بھی ہے، امام عقیلی فرماتے ہیں اس کی حدیث کی متابعت نہیں کی جاتی۔

نماز پڑھانے کیلئے اپنی زندگی میں انہی کو آگے بڑھایا اور اس طرح تمام صحابہ پر آپ کو ترجیح دے دی، پھر انہیں خلافت پر مقدم کرنے اور ان کی بیعت کرنے پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ صحابہ جیسی عظیم جماعت کو ضلالت پر اکٹھا نہیں کرتا۔

[۷۵] ثم من بعده عمر رضي الله عنه، لفضله وعهد أبي بكر إليه.

ترجمہ: ابوبکر الصديق رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار عمر رضی اللہ عنہ تھے کیونکہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد امت میں سب سے افضل تھے نیز خلیفہ راشد (ابوبکر) نے اس منصب کیلئے انہی کا تقرر کیا تھا۔

[۷۶] ثم عثمان رضي الله عنه لفضله لتقديم أهل الشورى له.

ترجمہ: عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار عثمان رضی اللہ عنہ تھے کیونکہ مجلس شوریٰ نے اس منصب کیلئے انہی کا تقرر کیا تھا۔

[۷۷] ثم علي رضي الله عنه لفضله واجتماع أهل عصره عليه.

ترجمہ: عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار علی رضی اللہ عنہ تھے کیونکہ عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد وہی سب سے زیادہ افضل تھے اور سب نے انکی خلافت پر اتفاق کیا تھا۔

[۷۸] وهؤلاء الخلفاء الراشدون المهديون الذين قال رسول الله ﷺ فيهم: [عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدى، عضوا عليها بالنواجذ] [۱۲۸]

ترجمہ: اور یہی چاروں ہدایت یافتہ خلفاء راشدین ہیں جن کے بارے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: [عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدى، عضوا عليها بالنواجذ]

ترجمہ: [بہترین لوگ میرے دور کے لوگ ہیں]

صحابہ میں سب سے افضل مہاجرین ہیں (جنہوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی) ان کی افضلیت کی یہ ہے کہ انہوں نے دین کی خاطر ہجرت اور پھر نصرت کے عظیم الشان کردار پیش کیے۔ پھر انصار صحابہ سب سے افضل ہیں (کیونکہ انہوں نے نصرت کا حق ادا کر دیا)

مہاجرین میں سب سے زیادہ فضیلت خلفاء راشدین (ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم) کی ہے۔

خلفاء راشدین کا مختصر تعارف

(۱) ابوبکر الصديق

نام و نسب: عبداللہ بن عثمان بن عامر، ان کا تعلق بنو تیم بن مرثہ بن کعب سے ہے، مردوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا، ہجرت کے موقع پر آپ ﷺ کے رفیق سفر تھے، نماز و حج میں آپ ﷺ کی نیابت کی سعادت حاصل کی، آپ ﷺ کی امت میں آپ کے جانشین (خليفة) مقرر ہوئے، مشرہ مشرہ میں سے پانچ افراد نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ وہ پانچ افراد یہ ہیں: عثمان، زبیر، طلحہ، عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ ابوبکر الصديق رضی اللہ عنہ اور مذکورہ پانچ صحابہ نیز علی ابن ابی طالب اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم یہ ٹول اٹھ صحابہ وہ ہیں جنہیں تمام لوگوں سے پہلے مشرف باسلام ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

۶۳ سال کی عمر یا کر جمادی الثانی ۱۳ھ میں وفات پائی۔ (ابن اسحاق)

(۲) ابو حفص عمر الفاروق

نام و نسب: عمر بن خطاب۔ بنو عدی بن کعب بن لؤی سے تعلق ہے۔

نبوت کے چھ سال اسلام قبول کیا، ان سے قبل چالیس مرد اور گیارہ عورتیں اسلام قبول کر چکی تھیں، ان کے اسلام لانے سے مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، جس کے بعد مکہ میں غلبہ اسلام کا ظہور شروع ہوا، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں امت کیلئے اپنا جانشین مقرر کیا، انہوں نے خلافت کی اس اہم ذمہ داری کو انتہائی احسن طریقے سے نبھایا، ۶۳ سال کی عمر یا کر ذی الحج ۲۳ھ میں شہادت سے سرفراز ہوئے۔

ترجمہ: [تم میری سنت اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقے کو لازم پکڑنا اور اسے دائروں میں دبائے رکھنا (یعنی انتہائی مضبوطی سے تھامے رہنا)]

[۸۹] وقال عليه السلام: [الخلافة من بعدى ثلاثون سنة] (۱۲۹) فكان آخرها خلافة علي رضي الله عنه

نیز آپ ﷺ کا فرمان ہے: [الخلافة من بعدى ثلاثون سنة]

ترجمہ: [میرے بعد خلافت تیس سال تک رہے گی۔

چنانچہ اس مدت کی تکمیل آخری خلیفہ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ساتھ ہوئی۔

..... شرح

فضائل صحابہ:

صحابی اس شخص کو کہتے ہیں، جسے ایمان کی حالت میں نبی ﷺ کی رفاقت نصیب ہوئی ہو اور ایمان کی حالت میں وفات پائی ہو۔

نبی ﷺ کے اصحاب تمام انبیاء کے اصحاب سے افضل ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: [خیر الناس قرنی] (رواہ بخاری) (۱۳۰)

(۱۲۹) یہ حدیث صحیح ہے۔ ابوداؤد (۴۶۳۶) ترمذی (۲۲۲۶) وحسنہ (نسائی فی فضائل الصحابہ) (۵۲) حاکم (۷۱/۳)،

(۱۳۵) حاکم نے صحیح کہا ہے، اور ذہبی نے موافقت کی ہے۔ احمد (۲۲۱، ۲۲۰/۵) احمد فی فضائل الصحابہ (۷۹، ۷۹۰،

۱۰۲۷) ابن حبان (۱۵۳۳، ۱۵۳۵) ابن ابی عاصم فی السنۃ (۵۶۲/۲) طبرانی کبیر (۱۳، ۱۳۶، ۱۳۷) الطیالسی

(۱۱۰۷) البیہقی فی دلائل النبوة (۳۴/۶) اس حدیث کی سند حسن ہے، اور اسکے متعدد شواہد ہیں جس سے یہ حدیث

صحیح لغیرہ کے مرتبہ تک پہنچ چکی ہے، اسی وجہ سے امام احمد، ترمذی، ابن جریر، ابن ابی عاصم، ابن حبان، حاکم، ابن

تیمیہ، الذہبی اور ابن حجر نے اسے قوی قرار دیا ہے۔ نیز دیکھئے الصحیحۃ (۲۵۹)

(۱۳۰) البخاری: کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ: باب فضائل اصحاب النبی (۳۶۵۱) مسلم: کتاب فضائل اصحابہ:

باب فضل الصحابة ثم الذين يلونهم (۲۵۳۳) عن ابن مسعود۔ اس باب میں ایک اور حدیث بھی ہے،

بخاری (۲۵۶۱، ۲۵۶۵، ۲۵۳۸، ۲۶۹۵) مسلم (۲۵۳۵) اس حدیث کو ابن حجر نے الاصابة کے مقدمہ میں متواتر

کہا ہے۔

جیکر ابو داؤد کی روایت میں ہے:

[کنا نقول و رسول اللہ ﷺ أحسن أمة النبي ﷺ بعده أبو بكر، ثم عمر،

ثم عثمان]

ترجمہ: ہم نبی ﷺ کی زندگی میں باہم کہتے تھے: اہل محمد میں رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے

افضل ابو بکر ﷺ ہیں پھر عمر ﷺ پھر عثمان ﷺ]

طبرانی کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئی ہیں: [يسمع ذلك النبي ﷺ فلا يكره]

ترجمہ: نبی ﷺ ہماری باتوں کو سنتے تھے لیکن کبھی کبیر نہیں فرمائی [(۱۳۲)

مؤلف رحمہ اللہ کی ذکر کردہ روایت میں ”ثم علي ﷺ“ کا اضافہ میں نے کسی کتاب میں نہیں پایا۔

نبی ﷺ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ابو بکر ﷺ تھے کیونکہ وہ سب سے افضل اور اسلام

لانے میں سب سے سبقت لے جانے والے تھے اور اس لیے بھی نبی ﷺ نے انہیں نماز کی امامت

کیلئے آگے بڑھایا تھا اور اس لیے بھی کہ صحابہ نے بالاتفاق انہیں خلافت کیلئے آگے بڑھایا اور ان کی

بیعت کی۔ اور اللہ تعالیٰ صحابہ عظمیٰ جماعت کو خلافت پر متعین نہیں کرتا۔

ان کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار عمر ﷺ تھے کیونکہ صحابہ میں ابو بکر ﷺ کے بعد وہ سب

سے افضل تھے اور اس لیے بھی کہ ابو بکر ﷺ نے انہیں خلیفہ نامزد کر دیا تھا۔

ان کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار عثمان ﷺ تھے کیونکہ ابو بکر ﷺ و عمر ﷺ کے بعد یہی

سب سے افضل تھے، اور مجلس شوریٰ نے بھی انہی کو خلافت کیلئے آگے بڑھایا تھا۔

شوریٰ کے ارکان کے نام اس شعر میں مذکور ہیں۔

علی و عثمان و سعد و طلحہ ذبیر و ذو عوف رجال المشورة

(۱۳۲) ابو داؤد (۲۶۲۸) الترمذی (۳۷۰۷) ابن ابی عامر فی السنۃ (۱۱۹۰) شیخ البانی نے تخریج السنۃ (۵۶۷/۲)

میں اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ عجمی نے جس زیادت (فیسع ذلک النبی ﷺ فلا یکرہ) کا ذکر کیا ہے وہ

طبرانی میں ہے۔ یہ زیادت متعطلہ طرق سے صحیح ثابت ہے، ان ابی عامر فی السنۃ (۱۱۹۲، ۱۱۹۵، ۱۱۹۷) احمد

(۱۳/۲) دیکھتے تھے تخریج السنۃ لابن ابی عامر، فتح البانی (۱۲/۱۷، ۱۸)

(۳) عثمان ﷺ

نام و نسب: ابو عبد اللہ ذوالنورین عثمان بن عفان۔ بنو امیہ بن عبدالمطلب بن عبد مناف

سے تعلق ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے دار اقامت میں منتقل ہونے سے قبل اسلام قبول کیا، مالدار اور بخی تھے، مجلس ہدایا

نے عمر رضی اللہ عنہ کے بعد بالاتفاق انہیں خلافت کیلئے منتخب کیا۔ ایک قول کے مطابق ۷۰ سال کی عمر پر

ذی الحج ۳ھ میں شہادت سے فرما رہے تھے۔

(۴) علی ﷺ

نام و نسب: ابوالحسن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب۔

بچوں میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا، جب کہ خیر میں رسول اللہ ﷺ نے انہیں جہنم اعلان فرمایا

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اگلے ہاتھ پر فتح نصیب فرمائی، عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد نبی کے ہاتھ پر ہاتھ

خلافت ہوئی اس لیے عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد شرعی خلیفہ ہو گئے، ۶۳ سال کی عمر پر رمضان ۴۰ھ

میں شہادت سے فرما رہے تھے۔

ان چاروں خلفاء میں ابو بکر ﷺ سب سے افضل ہیں، پھر عمر ﷺ پھر عثمان ﷺ پھر علی ﷺ۔

اس کی دلیل ابن عربی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے:

[کنا نخیر بین الناس فی زمن النبی ﷺ فخیبر ابا بکر ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان] (رواہ البخاری)

ترجمہ: ان میں عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہم صحابہ میں سے بعض کو بعض

افضل قرار دیتے تھے، چنانچہ ہم سب سے افضل ابو بکر ﷺ کو قرار دیتے تھے، پھر عمر بن خطاب ﷺ کو، پھر

عثمان بن عفان ﷺ کو۔ [(۱۳۱)

(۱۳۱) البخاری: کتاب فضائل الصحابة: باب فضل ابو بکر بعد النبی ﷺ (۳۶۵۵)

بخاری (۳۹۷) میں یہ الفاظ آئی ہیں: ہم نبی ﷺ کے زمانے میں ابو بکر کے برابر کی کو نہیں سمجھتے تھے، پھر عمر

عثمان پھر ہم صحابہ انہی میں کسی کو کوئی برتری نہیں دیتے تھے۔

ان کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار علیؑ تھے کیونکہ عثمانؓ کے بعد لوگوں میں سے زیادہ افضل یہی تھے، نیز تمام لوگوں نے انہی کو خلافت کیلئے آگے بڑھانے پر اجماع کیا۔

یہی چاروں ہی ہدایت یافتہ خلفاء راشدین ہیں جن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

[علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدی، عضوا علیہا بالنواجد] (۱۳۳)

ترجمہ: تم میری سنت اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقے کو لازم پکڑنا اور مضبوطی سے تھامے رہنا

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا: [الخلافة بعدی ثلاثون سنة]

ترجمہ: میرے بعد خلافت تیس سال تک رہے گی [احمد، ابوداؤد، ترمذی، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے]

چنانچہ اس حدیث کی روشنی میں علیؑ آخری خلیفہ ثابت ہوئے۔

یہ تبصرہ مؤلف رحمہ اللہ کا ہے، مؤلف رحمہ اللہ نے خلافت حسنؓ کو یا تو ان کے والد علیؑ کی خلافت کے تابع قرار دیا ہے، یا پھر سرے سے اس کا اعتبار ہی نہیں کیا کیونکہ انہوں نے خود ہی خلافت سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

(خلفاء راشدین کے زمانہ خلافت کی تفصیل اس طرح ہے)

☆ ابو بکرؓ کا دور خلافت دو سال تین مہینے اور نو راتیں ہے۔ تیرہ ربیع الاول ۱ھ سے ۲۲ جمادی الآخر ۱۳ھ تک۔

☆ عمرؓ کا دور خلافت دس سال چھ مہینے اور تین دن ہے۔ ۲۳ جمادی الآخر ۱۳ھ سے ۲۶ ذی الحجہ ۲۳ھ تک۔

☆ عثمانؓ کا دور خلافت ۱۲ دن ۱۲ سال ہے۔ یکم محرم ۲۳ھ سے ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ تک

☆ علیؓ کا دور خلافت ۴ سال اور نو مہینے ہے۔ ۱۹ ذی الحجہ ۳۵ھ سے ۱۹ رمضان ۴۰ھ تک۔

(۱۳۳) اس کی تخریج حاشیہ نمبر (۹) پر گزری ہے

ان چاروں خلفاء کی خلافت کا مجموعی زمانہ ۲۹ سال چھ مہینے اور چار دن بنتا ہے۔ (یعنی تیس سال سے چھ مہینے کم)

علیؑ کی شہادت کے دن، حسن بن علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کر لی گئی اور ربیع الاول ۴۱ھ میں انہوں نے خلافت، معاویہؓ کو سونپ دی۔ اس طرح آپ ﷺ کی دو پیش گوئیاں برحق اور سچ ثابت ہوئیں۔

(۱) آپ ﷺ کا فرمان: [الخلافة بعدی ثلاثون سنة]

(۲) اور حسنؓ کے متعلق یہ فرمان:

[ان ابني هذا سيد ولعل الله ان يصلح به فتتین عظیمین من المسلمین]

ترجمہ: میرا یہ بیٹا سید ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا [رواہ البخاری] (۱۳۴)

☆ حسنؓ آپ ﷺ کے نواسے اور آپ ﷺ کے چمنستان کے مہکتے پھول ہیں، آپ امیر المؤمنین ابن امیر المؤمنین ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۵ رمضان ۳ھ میں ہوئی، جبکہ ربیع الاول ۵ھ میں مدینہ میں وفات پائی، اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

☆ حسین ابن علیؑ بھی آپ ﷺ کے نواسے اور آپ ﷺ کے چمنستان کے مہکتے پھول ہیں، شعبان ۴ھ میں پیدائش ہوئی، جبکہ ۱۰ محرم ۶۱ھ میں کربلا میں شہید ہوئے۔

☆ ثابتؓ: پورا نام ثابت بن قیس بن شماس الانصاری الخزرجی ہے، خطیب الانصار کے لقب سے مشہور ہیں۔ جنگ یمامہ میں ۱۱ھ کے آخر یا ۱۲ھ کے اوائل میں شہید ہوئے۔

[۸۰] ونشهد للعشرة بالجنة، كما شهد لهم النبي ﷺ فقال: [أبو بكر في الجنة، وعمر في الجنة، وعثمان في الجنة، وعلي في الجنة، وطلحة في الجنة، والزبير في الجنة، وسعد في الجنة، وسعيد في الجنة، وعبد الرحمن بن عوف في الجنة، وأبو عبيدة بن الجراح في الجنة]

ترجمہ: ہم عشرہ مبشرہ کے جنتی ہونے کی شہادت دیتے ہیں کیونکہ نبی ﷺ نے ان کے متعلق بشارت دی ہے، فرمایا: [ابوبکر جنتی ہے، عمر جنتی ہے، عثمان جنتی ہے، علی جنتی ہے، طلحہ جنتی ہے، زہر جنتی ہے، سعد جنتی ہے، سعید جنتی ہے، عبدالرحمن بن عوف جنتی ہے اور ابوعبیدہ بن جراح جنتی ہے]

[۸۱] وكل من شهد له النبي ﷺ با لجنة شهدنا له بها ، كقوله : [الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة] وقوله لثابت بن قيس : انه من أهل الجنة ترجمہ: اور عشرہ مبشرہ کے علاوہ جن صحابہ کے جنتی ہونے کی آپ ﷺ نے شہادت دی ہے، ہم ان کے جنتی ہونے کی شہادت دیتے ہیں: جیسا کہ آپ ﷺ نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے متعلق فرمایا: [الحسن والحسين سيدا شباب أهل الجنة]

ترجمہ: [حسن وحسين جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں]
اسی طرح ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے بارہ میں فرمایا: [انه من أهل الجنة]

ترجمہ: [بے شک یہ جنتیوں میں سے ہیں]

[۸۲] ولا نجزم لأحد من أهل القبلية بجنة ولا نار ، الا من جزم له الرسول ﷺ لكننا نرجو للمحسن ، ونخاف على المسيء .

ترجمہ: ہم اہل قبلہ میں سے کسی کے جنتی یا جہنمی ہونے کی بالجموع شہادت نہیں دیتے، سوائے ان کے جن کے بارہ میں رسول اللہ ﷺ نے شہادت دی ہے۔ البتہ ہم نیکوکاروں کے متعلق اچھی امید رکھتے ہیں اور بُرے کے بارے میں خوف رکھتے ہیں۔

..... شرح

کسی کے جنتی یا جہنمی ہونے کا پتہ عقل سے نہیں لگایا جاسکتا، یہ معاملہ شریعت پر موقوف ہے، شارع ﷺ جس کے جنتی یا جہنمی ہونے کی خبر دیں تو ہم بھی اس کے بارہ میں یہ خبر دے سکتے ہیں اور جس کے

بارہ میں شارع ﷺ نے کوئی خبر نہیں دی ہم بھی اس کے بارہ میں کوئی خبر نہیں دے سکتے۔ البتہ نیک لوگوں کے بارہ میں اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور بُروں کیلئے اسکے عذاب کا خوف رکھتے ہیں۔ جنتی یا جہنمی ہونے کی شہادت کی دو قسمیں ہیں: عامۃ وخاصۃ۔

شہادت عامہ: شہادت کسی وصف سے مشروط ہو مثلاً: ہر مؤمن جنت میں جائے گا، یا ہر کافر جہنم میں جائے گا۔ یا اس طرح کے دیگر اوصاف جنہیں شارع علیہ السلام نے دخول جنت یا دخول جہنم کے سبب کے طور پر بیان کیا ہو۔

شہادت خاصہ: جو کسی شخص سے متعلق ہو۔ مثلاً: کسی شخص معین کے بارہ میں کہنا کہ وہ جنتی ہے یا کسی شخص معین کے بارہ میں کہنا کہ وہ جہنمی ہے۔ ہم صرف انہی معین اشخاص کے بارہ میں جنتی یا جہنمی ہونے کی خبر دے سکتے ہیں جن کے بارہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے خبر دی ہو۔

وہ لوگ جن کے جنتی ہونے کی تعیین ہو چکی ہے

بہت سے اشخاص ایسے ہیں جن کے جنتی ہونے کی تعیین ہو چکی ہے، مثلاً: عشرہ مبشرہ، انہیں عشرہ مبشرہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ایک حدیث میں ان کے جنتی ہونے کی خبر دی چنانچہ فرمایا: [أبوبکر في الجنة، وعمر في الجنة، وعثمان في الجنة، وعلي في الجنة،

وطلحة في الجنة، والزبير في الجنة، وسعد في الجنة، وسعيد في الجنة، وعبد الرحمن بن عوف في الجنة، وأبو عبيدة بن الجراح في الجنة] (۱۳۵)

ترجمہ: [ابوبکر جنتی ہے، عمر جنتی ہے، عثمان جنتی ہے، علی جنتی ہے، طلحہ جنتی ہے، زبیر جنتی ہے، سعد جنتی ہے، سعید جنتی ہے، عبدالرحمن بن عوف جنتی ہے اور ابوعبیدہ بن جراح جنتی ہے]

حاشیہ (۱۳۵) یہ حدیث صحیح ہے۔ ابوداؤد (۴۶۳۹، ۴۶۵۰) الترمذی (۳۷۴۸، ۳۷۵۷) ابن ماجہ (۱۳۳) مسند احمد (۱/۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹) ابن ابی عامر (۱۲۲۸، ۱۲۳۱، ۱۲۳۶) الترمذی (۴۴۰/۲) الترمذی (۴۴۰/۲) مسند احمد (۱۰۶، ۹۲، ۹۰) ابونعیم (۹۵/۱) یہ حدیث ابوسعید بن زید سے مرفوعاً مروی ہے اس کی سند صحیح ہے۔ شیخ البانی نے صحیح الجامع الصغیر (۴۰۱۰) میں صحیح کہا ہے۔ اس باب میں عبدالرحمن بن عوف کی حدیث، ترمذی (۳۷۴۸) احمد (۱۹۳/۱) ابوالحسن (۹۱) بخاری (۳۹۲۵) میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔

ان میں سے خلفاء اربعہ کا تعارف گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے، بقیہ چھ کے نام اس شعر میں مذکور ہیں

سعيد وسعد وابن عوف وطلحة وعامر فھر والزبير الممدح

طلحة ؓ: نام طلحہ بن عبید اللہ ہے۔ بنو تیم بن مرثد سے تعلق ہے۔ ان آٹھ افراد میں سے ایک ہیں جنہیں اسلام قبول کرنے میں سبقت کا شرف حاصل ہے۔ ۶۴ سال کی عمر پر کربلا کی جہاد میں شہید ہوئے۔

زبیر ؓ: نام زبیر بن عوام ہے، بنی قصی بن کلاب سے تعلق ہے۔ نبی ﷺ کی پھوپھی کے بیٹے ہیں۔ جنگ جمل میں علی ؓ کے خلاف قتال سے الگ ہو کر واپس لوٹ گئے اور واپسی میں انہیں جرموز نے انہیں قتل کر دیا۔ ۳۶ھ میں ۶۷ سال کی عمر پر کربلا شہید ہوئے۔

عبد الرحمن بن عوف ؓ: بنی زہرہ بن کلاب سے تعلق ہے، ۷۲ سال کی عمر پر ۳۲ھ میں وفات پائی، جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

سعد بن ابی وقاص ؓ: بنی عبد مناف بن زہرہ سے تعلق ہے۔ اسلام میں اللہ کی راہ میں سب سے پہلے تیرانہوں نے چلایا، مدینہ سے دس میل کے فاصلے پر وادی عقیق میں واقع اپنے گھر میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے، عمر ۸۲ سال اور سن وفات ۵۵ھ ہے۔

سعید بن زید ؓ: نام و نسب: سعید بن زید بن عمرو بن نفیل العدوی ہے، قبول اسلام میں سبقت لیجانے والوں میں سے ہیں ۵۵ھ میں وادی عقیق میں وفات پائی۔ مدینہ میں مدفون ہوئے۔ ۷۰ سال سے کچھ زائد عمر پائی۔

ابو عبیدہ ؓ: نام و نسب: ابو عبیدہ عامر بن عبد اللہ بن الجراح، بنی فہد سے تعلق ہے، قبول اسلام میں سبقت لیجا والوں میں سے ہیں ۱۸ھ اردن میں طاعون عمواس میں ۵۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔

حسن، حسین اور ثابت بن قیس رضوان علیہم اجمعین کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے جنتی ہونے کی خبر دی ہے، چنانچہ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

[الحسن والحسين سيد شباب اهل الجنة] (رواہ ترمذی وقال حسن صحیح)

ترجمہ: [حسن و حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں] (۱۳۶)

ثابت بن قیس کے بارے میں فرمایا:

[انک لست من اهل النار ولكنک من اهل الجنة] (رواہ البخاری)

ترجمہ: [تو جہنمیوں میں سے نہیں بلکہ تو جنتیوں میں سے ہے] (۱۳۷)

جن لوگوں کی کتاب و سنت سے

جہنمی ہونے کی تعیین ہو چکی ہے

وہ لوگ جن کا قرآن میں جہنمی ہونا معین ہو چکا ہے، ان میں رسول اللہ ﷺ کا چچا ابولہب عبد العزی بن عبد المطلب اور اسکی بیوی ام جمیل اُروی بنت حرب بن امیہ (ابوسفیان کی بہن) بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ۚ اِلَىٰ قَوْلِهِ﴾ (فی جیدہا حب من مسد)

ترجمہ: (ابولہب کے دنوں ہاتھ ٹوٹیں اور وہ (خود) ہلاک ہو گیا۔ نہ تو اس کا مال اس کے کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔ وہ عنقریب بھڑکنے والی آگ میں جائے گا۔ اور اسکی بیوی بھی جائے گی، جو ککڑیاں ڈھونڈنے والی ہے۔ اس کی گردن میں پوست کھجور کی بٹی ہوئی رسی ہوگی) (اللہب)

وہ لوگ جن کا سنت میں جہنمی ہونا معین ہو چکا ہے ان میں ابوطالب عبد مناف بن عبد المطلب بھی ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[أهون أهل النار عذابا أبو طالب وهو منتعل بنعلین يغلی منهما دماغه]

(۱۳۶) یہ حدیث صحیح ہے۔ ترمذی (۳۷۶۸) احمد (۱۶۶/۳، ۱۶۷) الترمذی فی الکبریٰ، ابن حبان (۲۲۲۸) حاکم (۱۶۶/۳، ۱۶۷) الخطیب فی التاريخ (۲۰۷/۴، ۹۰/۱۱) ابونعیم فی الحلیۃ (۷۱/۵) امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ شیخ البانی نے الصحیحہ (۷۹۶) میں امام ترمذی کی تائید کی ہے اور اس حدیث کے متعدد طرق بہت سے صحابہ سے ذکر کیے ہیں اور آخر میں فرمایا ہے: خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ حدیث بلا شک و شبہ صحیح ہے۔ بلکہ امام مناوی کے قول کے مطابق متواتر ہے۔“

(۱۳۷) البخاری: کتاب المناقب: باب علامات النبوة (۳۶۱۳)

مسلم: کتاب الامار: باب معانی المؤمنین (۱۱۹) (۱۸۷)

ترجمہ: [جنہیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب کو ہوگا، اسے (آگ کے) دو جوتے پہنا جائیں گے جس سے اس کا دماغ ابلنے لگے گا] (رواہ البخاری) (۱۳۸)

ان میں عمرو بن عامر بن لُحی الخزاعی بھی ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس کے متعلق فرمایا:

[رأيتہ یجرأ معاء فی النار] (رواہ البخاری) (۱۳۹)

ترجمہ: [میں نے اسے دیکھا کہ یہ جہنم میں اپنی انتڑیاں گھسیٹ رہا تھا]



[۸۳] ولا نکفر أحدا من أهل القبلة بذنب ولا نخرجه عن الإسلام بعمل.

ترجمہ: محض کسی گناہ کی وجہ سے اہل قبلہ (مسلمان) میں سے کسی پر ہم کفر کا فتویٰ نہیں لگاتے اور نہ ہی کسی عمل کے سبب اسے دائرۃ اسلام سے خارج کرتے ہیں۔

[۸۴] ونرى الحج والجهاد ماضيان مع طاعة كل امام، برا كان أو فاجرا، وصلاة الجمعة خلفهم جائزة.

ترجمہ: ہم حج اور جہاد کو ہر امام (حکمران) کے ساتھ جائز سمجھتے ہیں، خواہ وہ اچھا ہو یا بُرا، اسی طرح ان کے پیچھے نماز جمعہ بھی جائز ہے۔

[۸۵] قال أنس: قال النبي ﷺ: ثلاث من أصل الإيمان: الكف عن قال: لا إله إلا الله، ولا نكفره بذنب، ولا نخرجه من الإسلام بعمل والجهاد ماض منذ بعثني الله عز وجل حتى يقاتل آخر امتي الدجال، لا يبطله جور جائر، ولا عدل عادل، والإيمان بالأقدار] (رواہ أبو داؤد)

(۱۳۸) مسلم: كتاب الإيمان: باب اهل النار عذابا (۲۱۲) (۳۶۲)

(۱۳۹) البخاری: كتاب التفسير من سورة المائدة: باب ﴿ما جعل الله من بحيرة ولا سائبة﴾ (۳۶۲۳) جس میں الفاظ یہ ہیں [میں نے جہنم کو دیکھا کہ اس کا بعض بعض کو کھار ہا تھا اور میں نے عمرو بن لُحی کو دیکھا وہ اپنی انتڑیوں کو گھسیٹ رہا تھا اور یہ وہ پہلا شخص ہے جس نے جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑا] اس باب میں مسلم (۹۰۴) میں بھی جابر رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے۔

ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: [تین باتیں ایمان کا اصل ہیں: پہلی بات یہ کہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کر نیوالے سے ہاتھ روک لیا جائے، کسی گناہ کی وجہ سے اسے کافر قرار نہ دیا جائے اور نہ ہی کسی (بُرے) عمل کے سبب اسے دائرۃ اسلام سے خارج قرار دیا جائے۔ دوسری بات یہ کہ جب سے اللہ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے، اس وقت سے جہاد جاری ہے اور جاری رہے گا یہاں تک کہ میری امت کا آخری شخص دجال قتل کر دے، اسے نہ کسی ظالم کا ظلم معطل کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی عادل کا عدل۔ تیسری بات یہ ہے کہ تقدیر پر ایمان رکھا جائے] (ابوداؤد) (۱۴۰)

..... شرح

گناہوں کے سبب اہل قبلہ (مسلمانوں) کی تکفیر کا حکم

اہل قبلہ (یعنی مسلمان جو کہ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں) اگر کتاب کبار کی وجہ سے کافر نہیں ہو جاتے، نہ ہی اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں اور نہ ہی دائمی جہنمی ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وان طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فأصلحوا بينهما.....﴾ الى قوله ﴿انما

المؤمنون اخوة فأصلحوا بين اخويكم﴾ (الحجرات: ۱۰ تا ۹)

ترجمہ: (اور اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں میل ملاپ کر دیا کرو۔ پھر اگر ان دونوں میں سے ایک دوسری (جماعت) پر زیادتی کرے تو تم (سب) اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے، اگر لوٹ آئے تو انصاف کے ساتھ صلح کرادو اور عدل کرو بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ یاد رکھو سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کر دیا کرو)

(۱۴۰) یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابوداؤد (۲۵۳۲) الايمان لابن عبد القاسم بن سلام (ص: ۴۷) سند میں یزید بن ابی

جعفر مجہول راوی ہے۔ ابوداؤد (۳۸۱/۳) میں اسی سبب سے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

وقال تعالى: ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَرَاءِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفَتْح: ۲۹)

ترجمہ: اور یہ بات بھی دین میں سے ہے کہ صحابہ کرام سے عقیدت و محبت رکھی جائے، ان کے محاسن بیان کیے جائیں، ان کیلئے اللہ سے رحمت و بخشش کی دعا کی جائے، انکی بشری کوتاہیوں کے ذکر سے اجتناب کیا جائے، اور ان کے مابین جو اختلاف ہوئے ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے، ان کی امت پر فضیلت اور اسلام قبول کرنے میں سبقت کو تسلیم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِأَخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ (الحشر: ۱۰)

ترجمہ: (اور ان کے لئے بھی جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے اور دعا کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے، کہ جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کے واسطے ہمارے دلوں میں کینہ (بغض) نہ پیدا ہونے دے۔)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَرَاءِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ (الفَتْح: ۲۹)

ترجمہ: (محمد ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کفار پر بہت سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں)

..... شرح

حقوق صحابہ

صحابہ کرام کو اس امت پر بہت بڑی فضیلت حاصل ہے، اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی خوب مدد کی، اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا، قرآن کو یاد کر کے، سنت کو سیکھ

باہم قتال کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اخوتِ ایمان کو برقرار رکھا ہے حالانکہ قتال گناہ کبیرہ ہے، اگر کبیرہ گناہ ارتکاب کفر ہوتا تو اخوتِ ایمانی ختم ہو جاتی۔ (مگر قرآن حکیم نے کبیرہ گناہ کے ارتکاب کے باوجود ان کی اخوتِ ایمانی برقرار رکھی)

حدیثِ قدسی ہے: [من كان في قلبه مثقال حبة خردل من ايمان فاجر جوه] (۱۳۱) ترجمہ: [جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوا سے جہنم سے نکال لو] (متفق علیہ) اس مسئلہ میں دو فرقے اہل سنت کے مخالف ہیں:

(۱) خوارج: ان کا نظریہ یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر اور دائمی جہنمی ہے۔

(۲) معتزلہ: ان کا کہنا ہے کہ مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ نہ مومن رہتا ہے نہ کافر، بلکہ ایمان اور کفر کے درمیان ایک منزل پر قائم ہو جاتا ہے، یہ شخص دائمی جہنمی ہے۔

معتزلہ اور خوارج کا رد

ہم دو وجوہ سے ان کا رد کرتے ہیں:

(۱) ان کا نظریہ کتاب و سنت کی صریح نصوص کے خلاف ہے۔

(۲) ان کا نظریہ سلف صالحین کے اجماع کے خلاف ہے۔



[۸۶] ومن السنة تولى أصحاب رسول الله ﷺ ومحبتهم وذکر محاسنهم والترحمة والاستغفار لهم، والكف عن ذکر مساوئهم، وما شجر بينهم، واعتقاد فضلهم ومعرفة سابقتهم، قال الله تعالى:

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِأَخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ (الحشر: ۱۰)

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِأَخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ (الحشر: ۱۰)

ترجمہ: (اور ان کے لئے بھی جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے اور دعا کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے، کہ جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں گناہ معاف فرما اور مومنوں کے واسطے ہمارے دلوں میں کینہ (بغض) نہ پیدا ہونے دے۔)

(۳) اگر کسی صحابی سے کوئی کوتاہی یا لغزش سرزد ہوئی ہو تو بھی اس کے ذکر سے اجتناب کیا جائے، کیونکہ ان کے محاسن اور فضائل کے مقابلے میں یہ لغزش انتہائی چھوٹی سی ہے بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ ان کی اجتہادی غلطی ہو (جو کہ معاف ہے) یا ان کے پاس کوئی معقول عذر موجود ہو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[لاتسبوا أصحابی] (متفق علیہ)

ترجمہ: [میرے کسی صحابی کو برا بھلا مت کہو]



[۸۷] وقال النبی ﷺ: [لاتسبوا أصحابی فوالذی نفسی بیدہ لو أنفق أحد ہم ولا نصیفہ] (متفق علیہ) (۱۴۳)

ترجمہ: [میرے صحابہ کو برا بھلا مت کہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا (اللہ کی راہ میں) خرچ کرے تو وہ ان کے ایک مدد بلکہ نصف مدد کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا]

..... شرح

صحابہ کو برا بھلا کہنے کا حکم

صحابہ کو برا بھلا کہنا تین طرح کا ہے۔

کر، عملاً اپنا کر اور اسکی نشر و اشاعت کر کے دین کی حفاظت کی، دین کو اس کی اصل شکل میں صاف شفاف و تروتازہ امت تک پہنچا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کی زبردست تعریف کی ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكْعًا سَجِدًا يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا..... مِنْهُمْ مَغْفِرَةٌ وَاجِرٌ عَظِيمًا﴾ (الفتح: ۲۹)

ترجمہ: (محمد ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کفار پر بہت سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں، تو انہیں دیکھے گا کہ رکوع اور سجدے کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضا مندی کی جستجو میں ہیں، ان کا نشان انکے چہروں پر سجدوں کے اثر سے ہے، ان کی یہی مثال تورات میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں ہے، مثل اس کھیتی کے جس نے اپنا پٹھا نکالا پھر مضبوط کیا اور وہ موٹا ہو گیا پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا اور کسانوں کو خوش کرنے لگا تاکہ انکی وجہ سے کافروں کو چڑائے، ان ایمان والوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ نے بخشش کا اور بہت بڑے ثواب کا وعدہ کیا ہے)

رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعریف و تکریم کی حفاظت کی غرض سے فرمایا:

[لاتسبوا أصحابی فوالذی نفسی بیدہ لو أنفق أحد کم مثل أحد ذہبا ما بلغ مد أحد ہم ولا نصیفہ] (متفق علیہ) (۱۴۲)

ترجمہ: [میرے اصحاب کو برا بھلا مت کہو، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کیونکہ اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر بھی سونا (اللہ کی راہ میں) خرچ کرے تو وہ ان کے ایک مدد بلکہ نصف مدد کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا]

صحابہ کے حقوق امت پر سب سے بڑھ کر ہیں، اور وہ یہ ہیں:

(۱) ان کی نیکی اور احسان کے پیش نظر دل سے ان سے محبت کی جائے، اور زبان سے ان کی خوب تعریف کی جائے۔

(۲) اس آیت کے پیش نظر ان کیلئے اللہ سے رحمت و بخشش کی دعا کی جائے:

(۱۴۲) البخاری: کتاب فضائل الصحابة: باب قول النبی ﷺ لو كنت متخذًا خليلاً..... (۳۶۷۳)

مسلم: کتاب فضائل الصحابة: باب تحريم سب الصحابة (۲۵۴۱) (۲۲۲)

اولا: ایسی گالی دی جائے جو ان کے کفر پر دلالت کرے یا ان کی اکثریت کے فاسق و فاجر ہونے کو مقتضی ہو۔ تو ایسی گالی کفر ہے، کیونکہ اس سے اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب لازم آتی ہے، اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول نے تو صحابہ کی تعریف کی ہے اور ان سے اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے، بلکہ ایسے شخص کے کفر میں شک کرنیوالا بھی پکا کافر ہے، اس لیے کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کتاب و سنت کے ناقضین کافریا فاسق تھے۔

الثانی: لعنت اور تیغ ہونے کی گالی دینا، ایسی گالی دینے والے کے حکم میں دو قول ہیں: (کفر، عدم کفر) عدم کفر کے حکم کی صورت میں اسے کوڑے مارنا اور محبوس رکھنا تا آنکہ اس کی موت واقع ہو یا پھر اپنی بات سے رجوع کر لے۔ (تو پھر آزاد کر دیا جائے)

الثالث: ایسی گالی جو ان کے دین میں قدح کا باعث نہ ہو: مثلاً: بزدلی، بخلی۔ ایسے شخص کا کفر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، لیکن ایسی سزا ضروری ہے جس سے وہ ایسی باتوں سے باز آجائے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”الصارم المسلول“ میں یہی بات لکھی ہے، اور امام احمد رحمہ اللہ کا یہ قول بھی ذکر کیا ہے۔

”کسی شخص کیلئے جائز نہیں کہ وہ ان کی لغزشیں بیان کرتا پھرے اور نہ ہی انہیں کسی عیب و نقص کی وجہ سے مطعون کرے، اگر کوئی شخص ایسی بات کرتا ہے تو اسے سخت تنبیہ کی جائے پھر بھی باز نہ آئے تو اسے محبوس کر کے کوڑے مارے جائیں یا تو اس قید میں مر جائے یا پھر اپنے موقف سے رجوع کر لے۔“



[۸۸] ومن السنة: الترضی عن أزواج رسول الله ﷺ أمهات المؤمنین المطهرات المبرآت من كل سوء، أفضلهن خديجة بنت خويلد، وعائشة الصديقة بنت الصديق التي برأها الله في كتابه، زوج النبي ﷺ في الدنيا والآخرة، فمن قذفها بما برأها الله منه فقد كفر بالله العظيم.

ترجمہ: اور یہ بات بھی دین میں سے ہے: کہ نبی ﷺ کی ازواج مطہرات جو تمام مومنوں کی مائیں اور ہر عیب سے پاک و بری ہیں، سے عقیدت رکھی جائے، ازواج مطہرات میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد اور عائشہ صدیقہ ہیں، جن کی براءت اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی، جو دنیا میں آپ ﷺ کی زوجہ تھیں اور آخرت میں بھی آپ ﷺ کی زوجہ ہوں گی، اللہ تعالیٰ کی براءت آجانے کے بعد جو انہیں متہم کرے تو وہ کافر ہے۔

..... شرح
.....

ازواج مطہرات کے حقوق

نبی ﷺ کی ازواج مطہرات دنیا کی طرح آخرت میں بھی آپ ﷺ کی بیویاں ہوں گی، یہ تمام مومنوں کی مائیں ہیں، یہ اس عزت و تکریم اور احترام کی مستحق ہیں، خاتم النبیین ﷺ کی ازواج ہونے کے ناطے جو ان کا استحقاق ہے، یہ آپ ﷺ کی آل بیت میں شامل ہیں، انتہائی پاکباز، پاکدامن، اور ہر الزام و تہمت اور عیب سے بری ہیں، کیونکہ طہیات طہین کیلئے اور طہیون طہیات کیلئے ہیں (پاک مرد پاک عورتوں کیلئے، پاک عورتیں پاک مردوں کیلئے) اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو اور قیامت کے دن ان سب کو راضی کر دے۔

وہ ازواج مطہرات جن سے فراق وفات کی صورت میں ہوا۔

(۱) **خدیجہ بنت خویلد:** سوائے ابراہیم کے آپ ﷺ کی تمام اولاد انہی کے بطن سے ہے، انہوں نے پہلے دو نکاح کیے تھے، پہلے شوہر کا نام عقیق بن عابد اور دوسرے کا نام ابوہالہ اسمعی ہے، آپ ﷺ نے ان کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کی، انہوں نے بعثت کے دسویں سال واقعہ معراج سے قبل وفات پائی۔

(۲) **عائشہ بنت ابی بکر الصديق:** یہ دو تین بار آپ ﷺ کو خواب میں دکھلائی گئی (۱۳۴) اور کہا گیا کہ یہ آپ (ﷺ) کی بیوی ہے، آپ ﷺ نے ان سے مکہ میں نکاح کیا اس

وقت ان کی عمر چھ سال تھی جبکہ رخصتی نو سال کی عمر میں مدینہ میں ہوئی، ۵۸ھ میں وفات پائی۔

(۳) **سودة بنت زمعة العامرية** : ان کے پہلے شوہر مسلمان تھے ان کا نام سکران بن عمرو (سہیل بن عمرو کے بھائی) ہے، خلافتِ عمر کے آخری ایام میں وفات پائی، ایک قول کے مطابق ۵۴ھ میں وفات پائی۔

(۴) **حفصة بنت عمر بن خطاب** : ان کے پہلے شوہر خنیس بن حذافة مسلمان تھے، جنگِ اُحد میں شہید ہوئے، انہوں نے ۴۱ھ میں وفات پائی۔

(۵) **زینب بنت خزیمہ الحلاطیة** : جو کہ ام الماسکین کے لقب سے مشہور تھیں، ان کے پہلے شوہر عبداللہ بن جحشؓ، جنگِ اُحد میں شہید ہوئے، آپ ﷺ سے شادی کے تھوڑے عرصہ بعد ۴۲ھ میں وفات پائی۔

(۶) **ام سلمة هند بنت ابی امیة المخزومیة** : ان کے پہلے شوہر ابوسلمہ عبداللہ بن عبداللہ بن عبدالمطلبؓ، شہید زخمی ہوئے اور بالآخر شہادت سے سرفراز ہوئے، ام سلمہ نے ۶۱ھ میں وفات پائی۔

(۷) **زینب بنت جحش الاسدیة** : آپ ﷺ کی پھوپھی کی بیٹی تھیں، ان کے پہلے شوہر زید بن حارثہ (آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور آپ ﷺ کے متبنی تھے) انہوں نے ۲۰ھ میں وفات پائی۔

(۹) **جویریة بنت الحارث الخزاعیہ** : ان سے آپ ﷺ نے ان کے شوہر مسافع بن صفوان کے بعد شادی کی، بعض مؤرخین نے ان کے سابقہ شوہر کا نام مالک بن صفوان ذکر کیا ہے، آپ ﷺ نے ان سے ۶ھ میں شادی کی، ۵۶ھ میں انتقال ہوا۔

(۹) **ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان** : ان کے پہلے شوہر عبید اللہ بن جحش تھے جس نے اسلام قبول کرنے کے بعد (حبشہ میں) عیسائیت کو اختیار کر لیا تھا۔ انہوں نے اپنے بھائی معاویہؓ کے دورِ خلافت میں مدینہ میں ۴۴ھ وفات پائی۔

(۱۰) **صفیة بنت حی بن اخطب** : ان کا تعلق بنو نظیر سے تھا اور بنو نظیر ہارون بن عمران علیہ السلام کی اولاد ہے، یہ خیبر میں بطور لونڈی آپ ﷺ کے حصے میں آئی تھی، آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے ان کی آزادی کو حق مہر مقرر کر کے ان سے نکاح کیا، ان کی پہلے دو شادیاں ہوئی تھی، پہلے شوہر کا نام سلام مشکم اور دوسرے کا نام کنانہ بن ابی الحقیق تھا، آپ ﷺ نے ان سے فتح خیبر کے بعد ۶ھ میں نکاح کیا، انہوں نے ۵۰ھ میں وفات پائی۔

(۱۱) **میمونہ بنت الحارث الحلاطیة** : آپ ﷺ نے ان سے عمرہ قضاء میں ۷ھ میں نکاح کیا، ان کی بھی پہلے دو شادیاں ہوئی تھیں پہلے شوہر کا نام ابن عبدیلیل اور دوسرے کا نام ابورہم بن عبد العزیٰ تھا، مقام سرف میں انہیں بطور دہن آپ ﷺ پر پیش کیا گیا، ۱۵ھ میں مقام سرف میں وفات پائی۔

یہ وہ ازواجِ مطہرات ہیں جن سے فراقِ وفات کی صورت میں ہوا، خدیجہ اور زینب رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ سے پہلے وفات پائی، جبکہ بقیہ نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد وفات پائی۔
آپ ﷺ نے دو اور عورتوں سے بھی نکاح کیا لیکن آپ ﷺ نے ان سے خلوت صحیح نہیں فرمائی اس لیے ان کے وہ احکام و فضائل نہیں ہیں جو سابقہ ازواجِ مطہرات کیلئے ثابت ہیں۔
وہ دو عورتیں یہ ہیں:

(۱) **اسماء بنت نعمان الکندیة** : آپ ﷺ نے ان سے نکاح کیا لیکن پھر چھوڑ دیا البتہ چھوڑنے کے سبب میں اختلاف ہے، ابن اسحاق (صاحبِ مغازی) کا کہنا ہے اس کے پہلو میں آپ ﷺ نے سفید داغ دیکھے اس لیے آپ ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا، بعد میں مہاجر بن ابی امیہ نے ان سے نکاح کر لیا۔

(۲) **امیمة بنت النعمان بن شراحیل الجونیة** : یہ وہی ہے کہ جب آپ ﷺ اس پر داخل ہوئے تو اس نے کہا اعدو باللہ منک (میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتی ہو) (۱۳۵) تو آپ ﷺ نے انہیں چھوڑ دیا۔

ازواجِ مطہرات میں سب سے افضل خدیجہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما ہیں، دونوں میں سے ہر ایک دوسری پر کوئی نہ کوئی خصوصیت و فضیلت حاصل ہے۔ (۱۳۶)

خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اسلام میں پہلی خاتون ہونے، اسلام کے ابتدائی دنوں میں اسلام کی بھاری تائید و نصرت کرنے کا شرف و امتیاز حاصل ہے، جبکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حصہ میں علمِ شریعت کی نشر و اشاعت اور امت کو اپنے علم سے بھرپور فائدہ پہنچانے کا جو شرف حاصل ہے وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حصہ میں نہ آسکا، اور یہ بات بھی ان کیلئے بہت بڑا شرف ہے کہ منافقین نے ان پر جو تہمت لگائی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کی براءت نازل فرمائی۔

امہات المؤمنین پر تہمت لگانے کا حکم

اللہ تعالیٰ کی طرف سے براءت نازل ہو جانے کے بعد عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت زنی کرنا مکمل ہے، کیونکہ یہ صریح قرآن کی تکذیب ہے، البتہ بقیہ ازواجِ مطہرات پر تہمت زنی کرنے والے کے بارے میں اہل علم کے مختلف قول ہیں (کفر اور عدم کفر) لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ بھی کفر ہے، کیوں کہ اس سے نبی ﷺ کی ذات میں قدح ثابت ہوتی ہے، کیونکہ قرآن کا ضابطہ ہے:

﴿الخبیثات للخبیثین﴾ یعنی خبیث عورتیں خبیث مردوں کیلئے ہیں۔



(۱۳۶) الذہبی سیر اعلام النبلاء (۲/۱۳۰) میں عائشہ رضی اللہ عنہا کے تعارف میں فرماتے ہیں: ”عائشہ رضی اللہ عنہا خوبصورت خاتون تھیں اسی لئے انہیں الحمریٰ بھی کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے ان کے علاوہ کسی کنواری خاتون سے شادی نہیں کی اور نہ ہی ان جیسی کسی اور سے محبت کی۔ اور نہ ہی ان سے بڑھ کر امت محمدیہ میں کوئی علم والی شخصیت گزری ہے، تمام عورتوں میں مطلقاً سب سے بڑی عالمہ تھیں۔ بعض علماء کا نظریہ ہے کہ یہ اپنے والد سے بھی افضل ہیں، لیکن یہ بات مردود ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا الگ الگ مقام رکھا ہے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا دنیا اور آخرت میں ہمارے نبی ﷺ کی بیوی ہیں، کیا اس سے بڑھ کر کوئی فخر کی بات ہے؟ البتہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو عورتوں میں سب سے پہلے آپ ﷺ کی تصدیق کرنے کی فضیلت حاصل ہے جس تک نہیں پہنچا جاسکتا، میں اس بات میں متوقف ہوں کہ ان دونوں میں کون افضل ہے۔“

[۸۹] ومعایرة خال المؤمنین ، وکاتب وحی ، أحد خلفاء المسلمین رضی اللہ عنہم .

ترجمہ: معاویہ رضی اللہ عنہ تمام مومنوں کے خالوکا تب و وحی اور مسلم خلفاء میں سے ایک ہیں۔

..... شرح

معاویہ بن ابی سفیان :

نام و نسب : امیر المؤمنین معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب، بعثت سے پانچ سال قبل پیدائش ہوئی، اور فتح مکہ والے سال اسلام قبول کیا، ایک قول یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد اسلام قبول کر لیا تھا لیکن اظہار فتح مکہ والے سال کیا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں پورے شام کا والی بنایا تھا، عمر رضی اللہ عنہ کے بعد بھی یہ شام کے والی رہے حتیٰ کہ حکمیں کے فیصلے کے نتیجے میں (۳۷ھ) میں خلافت کا اعلان کر دیا۔ ۴۱ھ میں حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے خلافت سے دستبردار ہونے کے نتیجے میں تمام مسلمانوں کے متفقہ خلیفہ بن گئے، یہ آپ ﷺ کے کاتب تھے اور وحی کی کتابت بھی کرتے تھے، رجب ۶۰ھ میں ۷۸ سال کی عمر پا کر وفات پائی۔

مؤلف رحمہ اللہ کا ان تذکرہ اور ان کی مدح کرنا روافض (شیعہ) کے رد کیلئے کی ہے، کیونکہ روافض معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتے ہیں اور ان کی عیب جوئی کرتے ہیں۔

انہیں مومنوں کا ماموں اس لیے کہا کہ یہ ام المؤمنین (مومنوں کی ماں) ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں۔ شیخ اسلام ابن تیمیہ نے منہاج السنۃ (۲/۱۹۹) میں ذکر کیا ہے کہ امہات المؤمنین میں سے کسی کے بھائی کو خال المؤمنین (مومنوں کا ماموں) کہنے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔



[۹۰] ومن السنة: السمع والطاعة لأئمة المسلمين وأمرأء المؤمنين ، برهم وفاجرهم، ما لم يأمروا بمعصية الله، فإنه لا طاعة لأحد في معصية الله .
ترجمہ: یہ بات بھی دین میں سے ہے کہ مسلمانوں کے خلفاء و امراء کی بات سنی جائے اور ان کی اطاعت کی جائے چاہے وہ نیک ہوں یا بُرے، بشرطیکہ اللہ کی معصیت کا حکم نہ دیں، کیونکہ اللہ کی معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں۔

[۹۱] ومن ولي الخلافة واجتمع عليه الناس ورضوا به أو غلبهم بسيفه حتى صار الخليفة وسمى أمير المؤمنين، وجبت طاعته وحرمت مخالفته والخروج عليه وشق عصا المسلمين .

ترجمہ: اور جو شخص مسلمانوں کا خلیفہ منتخب ہو گیا، اور لوگوں نے بخوشی اسے تسلیم کر لیا یا کوئی تلوار کے زور سے خلیفہ بن بیٹھا اور امیر المؤمنین کہلانے لگا، تو اس کی اطاعت واجب ہو گئی، اب اس کی مخالفت کرنا، یا اس کے خلاف بغاوت کرنا لوگوں کے درمیان پھوٹ ڈالنا سب حرام ہے۔

..... شرح

خلافت

خلافت بہت بڑا منصب اور بڑی عظیم مسئولیت ہے، کیوں کہ خلافت مسلمانوں کے تمام امور کی نگرانی اور سرپرستی کرنے کا نام ہے گویا خلیفہ ہی مسئول اول ہے۔ قیام خلافت فرض کفایہ ہے، کیوں کہ عوام الناس کے امور کی نگرانی و اصلاح کیلئے خلافت ناگزیر ہے۔

نصب خلافت کیلئے تین باتوں میں سے کسی ایک بات کا ہونا ضروری ہے:

اول: خلیفہ سابق کا کسی شخص کو خلافت کیلئے مقرر کر دینا، جیسا کہ ابو بکر الصديق ؓ نے عمر ؓ کا تقرر کیا۔

ثانی: اہل حل و عقد کسی شخص کی خلافت پر متفق ہو جائیں، یہ اہل حل و عقد چاہے خلیفہ سابق کے متعین کردہ ہوں، جس طرح کے عمر ؓ کی طرف سے متعین کردہ اہل حل و عقد نے عثمان ؓ کو تقرر کیا۔

پر خلیفہ منتخب کر لیا، اور چاہے کہ وہ خلیفہ سابق کی طرف سے متعین کردہ نہ ہوں، جس طرح ابو بکر ؓ اور علی ؓ کی خلافت کا معاملہ ہوا۔

ثالث: زبردستی بزدقوت و طاقت خلافت پر متمکن ہونا، جس طرح کہ عبدالملک بن مروان، عبداللہ بن زبیر ؓ کے قتل کے بعد بلا شرکت غیر خلیفہ ہو گیا۔

خلیفہ کی اطاعت کا حکم

خلیفہ اور دیگر امراء المسلمین کی اطاعت واجب ہے، بشرطیکہ خلاف شرع اور گناہ کا کام نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾
ترجمہ: (اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور فرمانبرداری کرو رسول (ﷺ) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی) (النساء: ۵۹)
رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[السمع والطاعة على المسلم فيما أوجب وكره ما لم يؤمر بمعصية فإذا أمر بمعصية فلا سمع ولا طاعة] (متفق عليه) (۱۴۷)

ترجمہ: ہر مسلمان پر اپنے امیر کی سمع و طاعت لازم ہے اس کا دل چاہے یا نہ چاہے، جب تک کہ معصیت کا حکم نہ دیا جائے، اگر معصیت کا حکم دیا جائے تو پھر سمع و طاعت نہیں ہے [اور امیر خواہ نیک ہو یا فاجر (واجب اطاعت ہے) نیک سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام اوامروناہی کی پابندی کرنے والا ہوں اور فاجر سے مراد فاسق یعنی گناہوں کا ارتکاب کرنے والا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

[الامن ولي عليه وال فرآه شيئا من معصية الله فليكره ما يأتي من معصية الله ولا ينزع يدا من طاعة] (رواه مسلم) (۱۴۸)

(۱۴۷) البخاری: کتاب الاحکام: باب السمع والطاعة (۷۱۴۴)

مسلم: کتاب الامارة: باب وجوب طاعة الامراء (۱۸۳۹)

جامع (۱۴۸) مسلم: کتاب الامارة: باب خيار الامراء (۱۸۵۵)

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[يكون عليكم أمراء تعرفون وتنكرون فمن أنكر فقد برىء ومن كره فقد سلم ولكن من رضی وتابع قالوا: أفلا نقاتلهم؟ قال: لا ما صلوا لا ما صلوا] ای من كره بقلبه وأنكر بقلبه (رواه مسلم) (۱۵۱)

ترجمہ: [تم پر ایسے امراء مسلط ہوں گے کہ تم ان میں اچھائیاں اور برائیاں دونوں پاؤ گے، ان کی برائیوں پر جس نے نکیر کی وہ بری الذمہ ہے، اور جس نے صرف دل میں برا جانا وہ بھی محفوظ رہا، لیکن جو ان کی برائیوں پر راضی رہا بلکہ ان کی برائیوں میں ان کی متابعت کرتا رہا..... صحابہ نے عرض کیا: کیا ہم ان سے قتال نہ کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں، جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں، نہیں، جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں]

مذکورہ دونوں حدیثوں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ترکِ صلاۃ کفر ہے، کیوں کہ آپ ﷺ نے کفر بواح کے بغیر حکمرانوں پر خروج کو جائز قرار نہیں دیا، جبکہ دوسری حدیث میں نماز کو قتال سے مانع قرار دیا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ترکِ صلاۃ کی وجہ سے ان سے قتال جائز ہے جبکہ قتال کفر بواح کی وجہ سے جائز ہے تو ترکِ صلاۃ کفر بواح ہوا۔



[۹۲] ومن السنة: هجران أهل البدعة، ومباينتهم، وترك الجدل، والخصومات في الدين، وترك النظر في كتب المبتدعة والإصغاء إلى كلامهم، وكل محدثة في الدين بدعة

ترجمہ: اور یہ بات بھی دین میں سے ہے کہ اہل بدعت سے قطع تعلقی اور علیحدگی اختیار کی جائے اور امور دین میں بحث و مناظرہ نہ کیا جائے، اہل بدعت کی کتابیں نہ پڑھی جائیں، اور ان کی گفتگو نہ سنی جائے (اور یاد رکھیں) دین میں ایجاد کیا گیا ہر نیا کام بدعت ہے۔

ترجمہ: [جس شخص کا کوئی حاکم ہو اور وہ اپنے حاکم میں اللہ تعالیٰ کی کسی نافرمانی کا ارتکاب دیکھتا ہو وہ اس نافرمانی سے کراہت کرے، لیکن اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے]

جج و جہاد، امراء و سلاطین کے ساتھ جاری و نافذ ہے اور نماز جمعہ بھی انکے پیچھے جائز ہے خواہ وہ ایک ہوں یا فاسق و فاجر، اس لیے کہ ان امور میں ان کی مخالفت مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کر دے گی اور انہیں بغاوت پر اکسائے گی۔ البتہ مؤلف رحمہ اللہ نے اسکی دلیل میں جو حدیث پیش کی ہے:

[ثلاث من أصل الإيمان..... الخ] یعنی [تین باتیں اصل ایمان ہیں..... الخ]

وہ ضعیف ہے، حافظ سیوطی نے الجامع الصغیر میں اس پر ضعف کا حکم لگایا ہے، امام مزی نے کہا ہے، کہ اس کی سند میں ایک مجہول راوی ہے، امام منذری نے بھی مختصر ابی داؤد میں ایک راوی کے مجہول ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (۱۳۹)

اس حدیث میں جن تین خصال کا ذکر ہے وہ یہ ہیں (۱) لا الہ الا اللہ کہنے والے کی اس کی کسی گناہ کی بناء پر تکفیر نہ کی جائے۔ (۲) جہاد قیامت تک جاری ہے۔ (۳) ایمان بالقدر خلیفہ کے خلاف بغاوت حرام ہے، اسکی دلیل عبادۃ بن الصامت ؓ کی یہ روایت ہے:

[بایعنا رسول اللہ ﷺ علی السمع والطاعة فی منشطنا ومکرهنا وعسرنا ویسرنا وأثرة علينا وأن لا ننازع الأمر أهله إلا أن تروا کفرا بواحا عندکم فیہ من اللہ برهان] [متفق علیہ] (۱۵۰)

ترجمہ: [ہم نے رسول اللہ ﷺ سے خوش و ناخوشی اور تنگی و فراخی نیز ہم پر دوسروں کو ترجیح دینے کے باوجود، ہر حال میں امیر کی سمع و طاعت کرتے رہنے کی بیعت کی اور یہ کہ امور سلطنت میں حکام سے نزاع نہ کریں، مگر اس صورت میں کہ جب تم اسے اعلانیہ کفر کرتے دیکھو، ایسا کفر کہ جس کے متعلق اللہ کی طرف سے تمہارے پاس دلیل بھی موجود ہو]

(۱۳۹) اس کی تخریج حاشیہ نمبر (۱۳۰) پر گزر چکی ہے۔

(۱۵۰) البخاری: کتاب الفتن: باب قول النبی ﷺ [سترون بعدی امورا.....] (۷۰۵۵) (۷۰۵۶)

(۱۵۱) مسلم: کتاب الإمارة: باب خيار الأئمة (۱۸۵۴)

..... شرح

اہل بدعت سے قطع تعلقی اختیار کرنا

اہل بدعت سے قطع تعلقی سے مراد: ان سے علیحدگی اختیار کرنا، ان سے محبت اور دوستی چھوڑ دینا، انہیں سلام نہ کرنا، ان کی زیارت و عیادت کیلئے نہ جانا..... وغیرہ۔

اہل بدعت سے قطع تعلقی واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾

ترجمہ: (جو لوگ اللہ تعالیٰ اور روزِ آخرت پر یقین رکھتے ہیں، انہیں تم ایسے لوگوں سے دوستی رکھنے والا نہیں پاؤ گے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے دشمنی رکھتے ہوں) (المجادلہ: ۲۲)

اور اس لیے بھی کہ آپ ﷺ نے غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے کی وجہ سے کعب بن مالک اور اسکے دیگر دونوں ساتھیوں سے قطع تعلقی اختیار کر لی تھی۔ (۱۵۲)

لیکن اگر انکے ساتھ میل جول میں دینی مصلحت ہو، مثلاً: ان پر حق واضح کرنا اور انہیں بدعات سے ڈرانا، تو پھر کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ تو امر مطلوب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ادْعَ لِي سَبِيلَ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادْ لِهِمْ بِاللُّغَةِ الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾

ترجمہ: (اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو اللہ کی وحی اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے) (النحل: ۱۲۵)

اور یہ بات معلوم ہے کہ حق کی دعوت باہمی میل جول اور ملاقات سے ہی ممکن ہے، اگرچہ بعض حالات میں خط و کتابت سے بھی ہو جاتی ہے۔

اہل بدعت سے قطع تعلقی میں یہ بات بھی شامل ہے، کہ فتنہ کے ڈر سے اور ان کی کتب و رسائل وغیرہ کے عوام الناس میں پھیل جانے کے ڈر سے، ان کی کتب و رسائل کا مطالعہ نہ کیا جائے، کیونکہ گمراہی کے اماکن و مواقع سے اجتناب بھی ضروری ہے، رسول اللہ ﷺ کا دجال کے متعلق یہ فرمان اسی قبیل سے ہے:

(۱۵۲) کعب بن مالک اور اسکے دونوں ساتھیوں کی توبہ کا قصہ بخاری (۳۱۸) مسلم (۵۲۲) میں موجود ہے۔

[من سمع به فليأمنه فوالله ان الرجل ليأتيه وهو يحسب انه مؤمن فيتبعه مما

يبعث به من الشبهات] (رواہ ابوداؤد) (۱۵۳)

ترجمہ: [جو شخص دجال کی آمد کا سن لے، اسے چاہیے کہ وہ دجال سے دور ہی رہے۔ اللہ کی قسم ایک شخص اپنے ایمان کی مضبوطی پر اعتماد کرتے ہوئے اس کے پاس جائے گا، اور اس کے شبہات سے متاثر ہو کر اس کا پیروکار بن جائے گا۔] (شیخ البانی سے اسے صحیح الاسناد کہا ہے)

لیکن اگر ان کی کتب وغیرہ کے مطالعے کا مقصد ان کی بدعات کی معرفت حاصل کر کے ان کا رد کرنا ہو تو پھر کوئی حرج نہیں، لیکن یہ جواز بھی ایسے شخص کیلئے ہے جو راسخ العقیدہ ہو، اور اتنا علم رکھتا ہو کہ اپنے صحیح عقیدہ کی حفاظت کر سکے، اور بدعات کی صلاحیت بھی رکھتا ہو، بلکہ ایسے شخص پر تو یہ امر واجب ہے، کیونکہ رد بدعات واجب ہے۔ اور فقہ کا اصول ہے ”جس امر کے بغیر امر واجب پورا نہ ہو سکتا ہو، وہ امر بھی واجب ہو جاتا ہے“

امور دین میں بحث و مناظرہ کرنا

جدل، کا معنی ہے: فریق مخالف پر غلبہ حاصل کرنے کیلئے بحث و مناظرہ کرنا۔ جدل کا معنی سخت جھگڑا کرنا بھی کیا گیا ہے۔ خصام اور مجادلۃ دونوں ہم معنی ہیں۔

امور دین میں بحث و مناظرہ کی دو قسمیں ہیں:

الاول: اس سے غرض، حق کا اثبات اور باطل کا خاتمہ ہو۔ دریں صورت یہ بحث اور مناظرہ صورت حال اور موقع محل کے اعتبار سے واجب یا مستحب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ادْعَ لِي سَبِيلَ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادْ لِهِمْ بِاللُّغَةِ الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ (النحل: ۱۲۵)

ترجمہ: (اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو اللہ کی وحی اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے)

(۱۵۳) یہ حدیث صحیح ہے۔ احمد (۴۳/۴)، ابوداؤد (۴۳۱۹) حاکم (۵۳۱/۴) شیخ البانی نے صحیح الجامع

الثانی : اس سے غرض محض کسی کو الجھانا یا اپنی باطل فکر کو ثابت کرنا ہو۔ یہ انتہائی قبیح کام ہے اور شریعت میں اس سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا يَجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ (الغافر: ۴)

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کی آیتوں میں وہی لوگ جدال کرتے ہیں (جھگڑتے ہیں) جو کافر ہیں)

نیز فرمایا: ﴿وَجَادِلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ فَاحْذَرُوا﴾ (فکیف کان عقاب)

ترجمہ: (اور باطل کے ذریعے جدال کیا (کج بحثیاں کی) تاکہ ان سے حق کو بگاڑ دیں پس میں نے ان کو پکڑ لیا سو میری طرف سے کیسی سزا ہوگی) (غافر: ۵)

[۹۳] وکل متسم بغير الاسلام والسنة مبتدع ، كالرافضة ، والجهمية والخوراج والقدريه والمرجئة ، والمعتزلة والكرامية والكلابية ونظائرهم فهذه فرق الضلال ، وطوائف البدع ، أعاذنا الله منها .

ترجمہ: اسلام اور سنت کے علاوہ کسی اور نام کی طرف منسوب ہونے والا بدعتی ہے، مثلاً: رافضہ، جہمیہ، خوارج، قدریہ، مرجئہ، معتزلہ، کرامیہ اور کلابیہ وغیرہ، یہ سب گمراہ اور بدعتی فرقے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب سے اپنی پناہ میں رکھے)

..... شرح

اہل بدعت کی علامات اور ان میں سے بعض کا تذکرہ

علامات اہل بدعت بہت سی ہیں، ان میں سے بعض کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) یہ لوگ اسلام اور سنت کو چھوڑ کر اپنی ایجاد کی ہوئی قوی، فعلی اور اعتقادی بدعت کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔

(۲) یہ لوگ اپنی باطل آراء و افکار سے تعصب کی حد تک لگاؤ رکھتے ہیں، لہذا حق کے واضح ہو جانے کے باوجود بھی اپنی آراء و افکار کو چھوڑ کر حق کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

(۳) یہ لوگ ائمہ اسلام کو ناپسند کرتے ہیں۔

اہل بدعت کے بعض فرقے

(۱) **رافضہ:** (شیعہ) یہ لوگ آل بیت کے متعلق غلو کا شکار ہیں، آل بیت کے علاوہ دیگر صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو کافر یا فاسق قرار دیتے ہیں، یہ لوگ آپس میں کئی فرقوں میں منقسم ہیں، ان میں سے بعض تو اس قدر غالی ہیں کہ علیؑ کے الہ ہونے کے دعویدار ہیں، جبکہ ان کے کچھ فرقے غلو میں ان کی بہ نسبت کچھ ہلکا ہاتھ رکھتے ہیں۔

ان کی بدعت کی ابتدا علی ابن ابی طالبؑ کے دور خلافت میں ہوئی، جبکہ عبد اللہ بن سبأ نے علیؑ کو کہا کہ آپ ہی الہ ہیں۔ تو علیؑ نے انہیں جلانے کا حکم دیا، تب عبد اللہ بن سبأ جو کہ اس فرقہ کا سرغنہ تھا مدائن کی طرف بھاگ گیا۔

صفات باری تعالیٰ کے متعلق ان کا نظریہ باہم مختلف ہے، بعض تشبیہ کے قائل ہیں، بعض تعطیل کے قائل ہیں اور بعض نے اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔ انہیں رافضہ (چھوڑنے والے) اس لیے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب کو اس وقت چھوڑ دیا تھا اور ان سے علیحدگی اختیار کر لی تھی جب انہوں نے زید بن علی سے ابو بکر و عمرؓ کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے ”رحمۃ اللہ علیہما“ کہا (یعنی ان کیلئے رحمت کی دعا کی)۔ یہ اپنے آپ کو شیعہ (گروہ) بھی کہتے ہیں، کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ ہم آل بیت کا گروہ ہیں، ان کی مدد کرتے ہیں اور ان کے حق امامت کا مطالبہ کرتے ہیں۔

(۲) **جہمیہ :** جہم بن صفوان کی طرف نسبت ہے، اسے سالم یا سلم بن احوذ نے ۱۲ھ میں قتل کیا تھا۔

صفات باری تعالیٰ کے متعلق ان کا نظریہ تعطیل اور نفی کا ہے، تقدیر کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ انسان مجبور محض ہے، جبکہ ایمان کے متعلق ارجاء کا نظریہ رکھتے ہیں، نظریہ ارجاء یہ ہے کہ ایمان محض اقرار بالقلب کا نام ہے، قول و عمل ایمان کی حقیقت میں شامل نہیں ہیں، یہی وجہ ہے کہ مرتکب کبیرہ ان کے ہاں کامل الایمان مؤمن ہے، گویا یہ فرقہ بیک وقت معطلہ، جبر یہ اور مرجئہ ہے، یہ لوگ بھی آپس میں کئی فرقوں میں منقسم ہیں۔

(۳) **خواجہ:** یہ لوگ ہیں جنہوں نے مسند تحکیم کو بنیاد بنا کر علیؑ سے بغاوت اختیار کر کے

آمادہ قتال ہوئے۔ یہ لوگ عثمان و علی رضی اللہ عنہما سے اعلان براءت کرتے ہیں اور سنت کی مخالفت کرنے پر خلیفہ وقت پر خروج کو واجب قرار دیتے ہیں، مرتکب کبیرہ کو کافر اور ہمیشہ کا جہنمی کہتے ہیں، یہ لوگ بھی آپس میں بہت سارے فرقوں میں منقسم ہیں۔

(۴) **قدریہ** : یہ لوگ بندوں کے افعال میں تقدیر کے منکر ہیں، یہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے ارادے اور قدرت میں مستقل ہے، اس میں اللہ کے ارادے اور قدرت کا کوئی عمل دخل نہیں۔ پہلے پہل یہ باطل نظریہ معبد الجہنمی نے صحابہ کرام کے آخری دور میں پیش کیا اور اس نے یہ نظریہ بصرہ میں کسی مجوسی سے لیا۔ ان کے دو فرقے ہیں: غالی اور غیر غالی

غالی: یہ دوسرے سے افعال عباد میں اللہ تعالیٰ کے علم، ارادہ، قدرت اور ان کے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہونے کا انکار کرتے ہیں۔ قدر یہ کا یہ فرقہ تو تقریباً ختم ہو چکا ہے۔

غیر غالی: ان کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ افعال عباد کو جانتا ہے، لیکن اس بات کے منکر ہیں کہ افعال عباد اللہ تعالیٰ کے ارادے اور قدرت سے وقوع پذیر ہوتے ہیں نیز افعال عباد کے اللہ تعالیٰ کی خلق ہونے کے بھی منکر ہیں۔ آج کے دور میں قدر یہ کا مذہب انہی عقائد پر قائم ہے۔

(۵) **مرجئہ** : ان کا عقیدہ ہے کہ عمل حقیقت ایمان سے خارج ہے، اس لیے یہ لوگ عمل کو ایمان میں سے نہیں سمجھتے، ان کے نزدیک ایمان محض اقرار بالقلب کا نام ہے نتیجہ ان کے نزدیک فاسق، کامل الایمان مؤمن ہے، خواہ وہ جیسی ہی معصیوں کا مرتکب ہو اور خواہ وہ جیسے بھی نیک اعمال کا تارک ہو (اور وہ یہ بھی کہتے ہیں) اگر ہم بعض امور دین کے ترک کرنے پر کسی شخص کے کفر کا حکم لگاتے ہیں تو وہ حکم اس عمل کے ترک کرنے کی بناء پر نہیں ہوتا، بلکہ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص اپنے دل سے اس عمل کا اقرار نہیں کر رہا۔ جہمیت کا بھی یہی نظریہ ہے۔

قدر یہ اپنے اس نظریہ میں خوارج کے بالکل برعکس ہیں۔

(۶) **معتزلہ** : معتزلہ واصل بن عطاء کے پیروکار ہیں، جس نے حسن بصری رحمہ اللہ کی مجلس سے اعتزال (علیحدگی) اختیار کر لیا تھا۔ واصل بن عطاء کا یہ نظریہ ہے کہ فاسق دو منزلوں کے درمیان ایک تیسرے منزلہ میں ہے، یعنی نہ تو مؤمن ہے اور نہ ہی کافر ہے، البتہ یہ ہمیشہ کا جہنمی ہے عمرو بن عبید

نے بھی اس نظریہ میں واصل بن عطاء کی پیروی اختیار کی، صفات باری تعالیٰ کے متعلق جہمیت کی طرح تعطیل کا نظریہ رکھتے ہیں، جبکہ تقدیر کے تعلق سے یہ قدر یہ ہیں یعنی افعال عباد میں اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کا انکار کرتے ہیں، مرتکب کبیرہ کے متعلق ان کا نظریہ ہے کہ وہ ہمیشہ کا جہمی ہے اور ایمان سے خارج ہو کر ایمان و کفر کے درمیان ایک تیسری منزلہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ یہ لوگ ان باتوں میں جہمیت کے برعکس ہیں۔

(۷) **کرامیہ** : یہ لوگ محمد بن کرام (الموتوی ۲۵۵ھ کے پیروکار ہیں، یہ تشبیہ اور ارجاء کی طرف مائل ہیں، یہ بھی متعدد فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔

(۸) **سالمہ** : یہ لوگ ابن سالم کے پیروکار ہیں، یہ بھی تشبیہ کے قائل ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ نے فرق ضلال کے ضمن میں انہی چند فرقوں کے ذکر پر اکتفاء فرمایا ہے، اس کے بعد ”نظارہم“ کا لفظ فرمایا ہے، اس کا مطلب ہے ان جیسے اور بھی گمراہ فرقے موجود ہیں۔ ہم ”نظارہم“ کے تعلق سے فرقہ اشعریہ کا ذکر کرتے ہیں:

اشاعرہ : یہ لوگ حسن بن علی بن اسماعیل الأشعری کے پیروکار ہیں، یہ ابتداءً تو اعتزال کی طرف مائل تھے، اپنی عمر کے چالیس سال تک اعتزال سے ہی وابستہ رہے، پھر اعتزال سے علی الاعلان توبہ کی اور مذہب اہل السنۃ کو اختیار کر لیا اور معتزلہ کا خوب رد کیا

امام اشعری رحمہ اللہ کی طرف نسبت کرنیوالے ایک خاص مذہب پر قائم ہیں، جسے مذہب الأشعریہ کہا جاتا ہے (جبکہ امام اشعری اس سے بری ہیں) یہ لوگ صفات باری تعالیٰ میں سے صرف سات صفات کو بلاتاً وکیل تسلیم کرتے ہیں، وہ بھی اس لیے کہ ان کا زعم ہے کہ یہ سات صفات عقلاً ثابت ہیں، جبکہ دیگر تمام صفات کی تاویل کرتے ہیں، اور وہ سات صفات اس شعر میں مذکور ہیں:

حی، علیم، قدیر، والکلام لہ ارادة، وکذا الذالک السمیع والبصر

حی، علیم، قدیر، متکلم ہونا، مرید (ارادہ کرنے والا)، سمیع (سننے والا)، بصیر (دیکھنے والا)

کلام اور قدر وغیرہ کے متعلق یہ لوگ بھی بعض بدعتی نظریات رکھتے ہیں۔



[۹۲] واما بالنسبة الى امام فى فروع الدين كالطوائف الاربع فليس بمذموم ، فان الاختلاف فى الفروع رحمة ، والمختلفون فيه محمودون فى اختلاف فهم ، مشابون فى اجتهدادهم ، واختلاف فهم رحمة واسعة ، واتفاقهم حجة قاطعة .

ترجمہ: البتہ دین کے فروعی مسائل میں کسی امام کی طرف نسبت کرنا، مذموم نہیں ہے، جیسے مذاہب اربعہ ہیں، کیونکہ فروعی مسائل میں اختلاف رحمت ہے، اور فروعی اختلاف کرنے والے ائمہ اس اختلاف میں بھی قابل تعریف ہیں، بلکہ اجتہاد کرنے کی وجہ سے ثواب کے مستحق ہیں۔ ان کا اختلاف وسیع رحمت ہے (۱۵۴) اور ان کا اتفاق و اجماع قطعی دلیل ہے۔

(۱۵۴) مؤلف رحمہ اللہ کا اختلاف کو رحمت قرار دینا کلی نظر ہے، کیونکہ یہ نظریہ کتاب و سنت کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مِنْ رَحْمَةِ رَبِّكَ﴾ (ہود: ۱۱۸، ۱۱۹) ترجمہ: (وہ تو برابر اختلاف کرنے والے رہیں گے، مگر ان کے جن پر آپ کا رب رحم فرمائے) اس آیت کریمہ سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ اختلاف رحمت نہیں، بلکہ اختلاف سے محفوظ رہنا رحمت ہے۔ نیز قول اللہ تعالیٰ ﴿وَلَا تَنَازَعُوا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (تہٰن: ۱۱۸) سے بھی یہ بات عیاں ہے کہ ہمارے تمام تر ضعف اور فضل کا سبب اختلاف ہی ہے، جبکہ اختلاف سے محفوظ رہنا ہماری قوت ہے۔

کچھ لوگ ایک حدیث پیش کرتے ہیں جس کے الفاظ یوں وارد ہیں: ”اختلاف امتی رحمة“ لیکن یہ حدیث بے اصل اور بلا سند ہے۔ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے اسے باطل، مکذوب کہا ہے، بلکہ حافظ ابن حزم مزید فرماتے ہیں: اگر اختلاف امت رحمت ہے تو پھر لامحالہ اتفاق امت عذاب ہے۔ (الاحکام فی اصول الاحکام) شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ ”ضعیف الجامع الصغیر“ (۲۳۰)

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَلَوْ كَانِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لَوُجِدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ (النساء: ۸۴) ترجمہ: (اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سو اکی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے) پتھوڑا سامنا ملنے والے اس حقیقت سے ضرور مطلع ہوگا کہ اختلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے تو پھر اسے رحمت اور شریعت قرار دینا چہ معنی دارد۔

[۹۵] نسأل الله أن يعصمنا من البدع والفتنة ، ويحيينا على الاسلام

= اس اختلاف کی بناء پر آج امت کس قدر فتنوں اور فرقوں میں بٹ چکی ہے، ایک فرقے والا، دوسرے فرقے کا خون مباح سمجھتا ہے، ان سے مناکحت ناجائز سمجھتا ہے، ایک دوسرے کے امام کی تکفیر کی جاتی ہے، بلکہ ایک حدیث وضع کی گئی ہے جس کی رو سے امام شافعی رحمہ اللہ کو ابلیس سے بدتر قرار دیا گیا، نوبت بایں جا رسید کہ بعض مساجد میں چار محرابیں بنائی گئیں اور ہر محراب ان مذاہب اربعہ میں سے ایک مذہب کیلئے مختص کی گئی، کعبۃ اللہ بھی اس یلغار سے محفوظ نہ رہا، وہاں چار مصلوں کے قیام سے محسوس ہوتا تھا کہ یہ چار مختلف دین ہیں، تو پھر اختلاف امت رحمت کیسے ہو سکتا ہے۔

شیخ محترم علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ مؤلف کے اس کلام پر یوں تعلیق فرماتے ہیں: ”لیس ثناء علی الاختلاف فان الاتفاق خیر منه وانما المراد به نفی الذم عنه، وان کل واحد محمود علی ما قال لانه مجتهد فیہ مرید للحق..... الخ“

میں کہتا ہوں یہ ایک اچھی تعلیق ہے، کیونکہ شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اختلاف اگرچہ قابل تعریف نہیں لیکن قابل مذمت بھی نہیں، شیخ کے اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ اختلاف کا وقوع قابل مذمت نہیں ہے، کیونکہ ائمہ مجتہدین کیلئے اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے، اس صورت میں اختلاف کا ظہور ممکن ہے، لہذا اختلاف کا ہو جانا ایک طبعی امر ہے، جو کسی طرح مذموم قرار نہیں دیا جاسکتا ہاں..... امر مذموم اختلاف کا بقاء ہے، چنانچہ ائمہ مجتہدین اخلاص قلب کے ساتھ اجتہاد کرنے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوئے اور یہ فرما کر عند اللہ بری الذمہ ہوئے کہ اگر ہمارا یہ قول یا اجتہاد کتاب اللہ و سنت کے خلاف ہو تو اسے دیوار سے دے مارنا اور کتاب و سنت کو نافذ کرنا، لیکن بعد میں آئیو الے ان کے اقوال کے ساتھ چپے ہوئے ہیں اور ان مسائل میں حق کے واضح ہونے کے باوجود حق کو قبول کرنے سے گریزاں ہیں، اور اپنے امام کے اجتہاد کے غلط ہونے کے باوجود سینے سے چٹائے ہوئے ہیں۔

یہ انتہائی بھیا تک اور مذموم حقیقت ہے، جس کا شاخسانہ یہ عقیدہ ہے کہ امت کا اختلاف رحمت ہے، یہ عقیدہ باطل ہے جس کی اساس ایک موضوع اور مکذوب روایت ہے (کما تقدم)

اختلاف اگر کسی کیلئے باعث رحمت ہے تو وہ ائمہ مجتہدین ہیں جو دین اور شریعت کے تعلق سے اجتہادی مسائل میں راہ صواب تک پہنچنے کیلئے علم، بصیرت اور اخلاص کے ساتھ شرعی نصوص کو سامنے رکھ کر بحث کرتے ہیں، یہ ائمہ اگر اجتہاد میں غلطی کر جائیں تو بھی اجر کے مستحق ہیں، جبکہ صحت اجتہاد ان کے لئے دُہرے اجر کا باعث ہے (یہی چیز ان کیلئے موجب رحمت ہے) (مترجم)

والسنة، ويجعلنا من يتبع رسول الله في الحياة، ويحشرنا في زمرة بعد الممات برحمته وفضله، آمين. وهذا آخر المعتقد

ترجمہ: ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں: کہ وہ ہمیں فتن اور بدعات سے محفوظ رکھے، اور ہمیں اسلام اور سنت پر زندہ رکھے، اس دنیا کی زندگی میں ہمیں ان لوگوں میں شامل کر دے جو اتباع سنت کی راہ پہ چل رہے ہیں اور اپنے خصوصی فضل و کرم سے مرنے کے بعد ہمیں اپنے رسول ﷺ کی جماعت میں شامل کر دے۔

والحمد لله وحده، وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم
تسليماً

..... شرح

فروعی اختلاف

فروع، فرع کی جمع ہے اور فرع لغت میں اس چیز کو کہتے ہیں، جسے کسی اور چیز پر قائم کیا جائے۔ جبکہ اصطلاح میں ان مسائل کو کہتے ہیں جو عقائد سے متعلق نہ ہوں، مثلاً: طہارت اور نماز وغیرہ کے مسائل۔

فروعی مسائل میں اختلاف مذموم نہیں بشرطیکہ خالص نیت اور اجتہاد سے صادر ہو، ہوا نفس اور مذہبی تعصب کی بناء پر نہ ہو، کیونکہ اس قسم کا اختلاف عہد نبوی میں بھی وقوع پذیر ہوا، اور آپ ﷺ نے اس پر تکیہ نہیں فرمائی، چنانچہ آپ ﷺ نے غزوہ بنی قریظہ میں فرمایا تھا:

[لا یصلین أحد العصر الا فی بنی قریظہ فحضرت الصلاة قبل وصولهم فأحر بعضهم الصلاة حتی وصلوا بنی قریظہ وصلی بعضهم حين خافوا خروج الوقت ولم ينكر النبي ﷺ على واحد منهم] (رواه البخاری) (۱۵۵)

ترجمہ: [سب کے سب نماز عصر بنو قریظہ میں جا کر ادا کریں، بنو قریظہ میں پہنچنے سے پہلے عصر کا

وقت ہو گیا، اب بعض نے تو نماز کو مؤخر کیا، جبکہ بعض نے وقت کے فوت ہونے کے ڈر سے راستے میں نماز پڑھ لی، آپ ﷺ نے کسی پر بھی تکیہ نہ فرمائی]

پھر اس قسم کا اختلاف تو صحابہ کرام میں بھی موجود تھا، حالانکہ وہ خیر القرون تھے۔
(اور اس لیے بھی یہ اختلاف مذموم نہیں) کہ اس قسم کا اختلاف بغض اعداوت کا باعث نہیں ہے اور اس سے مسلمانوں کی اجتماعیت پر بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، برخلاف اصول میں اختلاف کہ اس سے یہ ساری خرابیاں جنم لیتی ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کے قول ”مجتہدین فروع میں اختلاف کرنے کی وجہ سے قابل تعریف ہیں“ کا مقصد، اختلاف کی تعریف کرنا نہیں، کیونکہ اتفاق، اختلاف سے بہر صورت بہتر ہے۔ بلکہ اس عبارت سے مراد، صرف اختلاف کے مذموم ہونے کی نفی ہے، اور یہ کہ ہر مجتہد اپنے اجتہاد میں محمود ہے اس لیے کہ مجتہد مرید للحق (حق کا طلب گار) ہوتا ہے، لہذا وہ اپنے اجتہاد اور جسے اس نے حق سمجھا اس کی اتباع کرنے پر قابل تعریف ہے، اگرچہ کسی مسئلہ میں وہ حق کو نہ پہنچ سکے۔

مؤلف رحمہ اللہ کے قول ”فروعی مسائل میں اختلاف رحمت ہے“ کا مقصد یہ ہے کہ اس قسم کا اختلاف اللہ کی رحمت و غفو میں داخل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو استطاعت سے بڑھ کر مکلف نہیں کیا، بلکہ ہر شخص پر وہ چیز لازم کی ہے جو اس پر واضح اور ظاہر ہو۔ لہذا اس اختلاف کی وجہ سے مجتہدین پر کوئی حرج نہیں، بلکہ یہ اللہ کی رحمت و غفو میں داخل ہیں، اگر یہ حق تک پہنچ جائیں تو ان کیلئے دہرا اجر ہے، اور اگر خطا کر بیٹھیں تو پھر بھی ایک اجر کے مستحق ہیں۔

اجماع اور اس کا حکم

اجماع کا لغوی معنی اتفاق ہے۔ جبکہ اصطلاح میں امت محمدیہ کے علماء مجتہدین کے رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی شرعی حکم پر اتفاق کرنے کو کہتے ہیں۔

اجماع بھی حجت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

﴿فان تنازعتم فی شئ فردوه الی اللہ الرسول﴾ (النساء: ۵۹)

ترجمہ: (پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لٹاؤ، اللہ کی طرف اور رسول کی طرف)

اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

[لا تجتمع امتی علی ضلالة] ترجمہ: [میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی] (۱۵۶)

تقلید

تقلید لغت میں گلے میں پٹہ ڈالنے کو کہتے ہیں۔ جبکہ اس کی اصطلاحی تعریف ہے: بغیر دلیل کے کسی غیر کی بات کی اتباع کرنا۔

اس شخص کیلئے تقلید جائز ہے جو بذات خود علم تک رسائی کی قدرت نہ رکھتا ہوں، (۱۵۷)

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون﴾ (النحل: ۴۳)

ترجمہ: (پس اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے دریافت کرلو)

مشہور مذاہب چار ہیں:

مذہب حنفی: اس مذہب کے امام، ابوحنیفہ نعمان بن ثابت ہیں۔ امام صاحب، امام اہل عراق کے لقب سے بھی مشہور ہیں، امام صاحب کی پیدائش ۸۰ھ میں اور وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔

مذہب مالکی: اس مذہب کے امام، ابو عبد اللہ مالک بن انس ہیں، جو کہ امام دارالعلوم کے لقب سے مشہور ہیں۔ امام صاحب کی پیدائش ۹۳ھ میں اور وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی۔

(۱۵۶) یہ حدیث صحیح ہے۔ الترمذی (۲۱۶۷) السنۃ لابن ابی عاصم (۸۰) حاکم (۱۱۵/۱)، الفقیہ والحدیث للخطیب (۶۱/۱) ان سب ائمہ نے ابن عمر سے اس روایت کو بیان کیا ہے، امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث غریب ہے، شیخ البانی نے بھی تخریج السنۃ میں اسے ضعیف کہا ہے۔ اس حدیث کی ایک اور سند طبرانی کبیر (۴۳۷/۲) میں ہے۔ جو کہ حسن ہے۔ اس حدیث کے بہت سارے شواہد ہیں۔ (۱) حدیث ابن عباس مرفوعاً [اللہ تعالیٰ میری امت کو یا اس امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا، اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہے] حاکم (۱۱۶/۱) امام ترمذی نے صرف پہلا جملہ ذکر کیا ہے، یہ سند جید ہے (۲) حدیث ابی مسعود (السنۃ لابن ابی عاصم (۸۵) طبرانی کبیر (۳۳۹/۱۷) ۲۳۰، حاکم (۵۰۶/۴، ۵۰۷) حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ اور ذہبی نے موافقت کی ہے۔ پیشی نے مجمع (۲۱۹/۵) میں کہا ہے اس کے راوی ثقہ ہیں۔ مزید شواہد کیلئے تلخیص الحبیر (۱۴۱/۲) کی طرف رجوع کریں۔

(۱۵۷) شیخنا الکریم علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کے اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ جو بذات خود علم تک رسائی

مذہب شافعی: اس مذہب کے امام، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس الشافعی ہیں۔ امام صاحب کی پیدائش ۱۵۰ھ میں اور وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی۔

= نہ پاتا ہو یعنی اس کے اندر اجتہاد کی صلاحیت نہ ہو تو وہ لازماً علماء سے رجوع کرے، جس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿فسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون﴾ ترجمہ: (کہ تم اہل ذکر سے سوال کرو اگر تمہیں علم نہ ہو) یہاں شیخ رحمہ اللہ کی مراد تقلید شخصی یا تقلید جامد کو جائز قرار دینا نہیں ہے، کیونکہ تقلید اور چیز ہے اور سوال شی دیگر۔ دوسری بات یہ ہے کہ شیخ رحمہ اللہ کی پیش کردہ آیت جو ان کے موقف کی دلیل ہے میں سوال کو دو چیزوں کے ساتھ مقید کیا گیا ہے:

(۱) سوال اہل ذکر سے ہو، اہل الذکر درحقیقت اہل القرآن والحدیث ہیں، اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث والے علماء سے مسائل پوچھے جائیں اور وہ علماء قرآن وحدیث کی روشنی میں (نہ کہ مذہب کی روشنی میں) ان سوالات کا جواب دیں، پھر سوال کرنے والے قرآن وحدیث پر مشتمل ان جوابات کو قبول کر کے عمل شروع کر دیں، یہ عمل درحقیقت تحقیق ہی شمار ہوگا، جبکہ تقلید کا معنی بلا دلیل کسی کی بات کو ماننا ہے۔

(۲) دوسری قید یہ ہے کہ اہل الذکر سے سوال تب کرو جب تمہیں خود کسی مسئلہ کا علم نہ ہو سکے، جبکہ مقلدین میں تقلید کیلئے علم وعدم علم کا کوئی فرق نہیں، لہذا یہاں مذہب تقلید شخصی کا جواز پیش نہیں کیا جا رہا، بلکہ شیخ رحمہ اللہ کا جو کام اوپر مذکور ہے وہ تقلید اور اہل تقلید پر زبردست رد اور جرح ہے۔

شیخ فرماتے ہیں: ”وکل یؤخذ من قوله ماکان صواباً ویترک من قوله ماکان خطاً ولا عصمة الا فی کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ“

یعنی پیچھے جن مذاہب کا ذکر ہوا (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی وغیرہ) ان میں سے ہر امام کا جو قول درست یعنی مطابق قرآن وحدیث ہے وہ قبول کیا جائے گا اور جو قول غلط یعنی مخالف قرآن وحدیث ہے اسے ٹھکرایا جائے گا، جبکہ غلطی سے پاک صرف کتاب وسنت رسول اللہ ﷺ ہیں،

شیخ کے اس قول سے چند باتیں مفہوم ہوتی ہیں:

(۱) ان ائمہ کے اقوال واجتہادات کو آنکھیں بند کر کے قبول کرنے کی بجائے انہیں قرآن وحدیث پر پیش کیا جائے (۲) پیش کرنے کے بعد جو قول مطابق قرآن وحدیث ہے اسے لے لیا جائے اور جو مخالف قرآن وحدیث ہے اسے چھوڑ دیا جائے۔

(۳) ان ائمہ مجتہدین سے جس طرح درست بات کہنے کا امکان ہے، اسی طرح غلطی بھی ممکن ہے۔

(۴) عصمت یعنی غلطی سے پاک ہونا صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مختص ہے۔

مذہب حنبلی: اس مذہب کے امام، ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن حنبل ہیں۔ امام صاحب ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۴۱ھ میں وفات پائی۔

ان مشہور مذاہب کے علاوہ کچھ اور مذاہب بھی ہیں، مثلاً: ظاہریہ، زیدیہ، سفیانیہ وغیرہ ان ائمہ کرام کی وہ بات لی جائے گی جو صواب (قرآن و سنت کے مطابق) ہو، اور وہ بات چھوڑ دی جائے گی جو غلط ہو (یعنی قرآن و حدیث کے مطابق نہ ہو)

اور عصمت (یعنی غلطی سے پاک ہونا) صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو ہی حاصل ہے۔



= یہ تمام حقائق مرموعہ تقلید شخصی یا تقلید جامد کے نہ صرف خلاف ہیں بلکہ ان پر ضرب کاری ہیں، کیونکہ مقلدین کا طرز عمل مذکورہ حقائق کے بالکل منافی ہے۔ ہم اس مختصر سے حاشیہ میں تقابل کیلئے محض ایک مثال پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

جامع ترمذی کے آخر میں تقریر ترمذی کے نام سے ایک مختصر رسالہ ملحق ہے جس میں ایک حنفی عالم جنہیں السحر الألمعی والنحیر اللوذعی اور صدر المدرسین کا لقب دیا گیا ہے، مزید مولانا محمود الحسن المحدث الدیوبندی لکھا گیا ہے ایک فقہی مسئلہ (خیار مجلس) پر بحث و تحقیق کے بعد اپنی رائے یوں ارشاد فرماتے ہیں:

قال شیخنا مدظلہ بترجح مذهبه، وقال الحق والانصاف ان الترجیح للشافعی فی هذه المسئلة ونحن مقلدون یجب علینا تقلید امامنا ابی حنفیة،

یعنی ہمارے شیخ بھی امام شافعی کے مذہب کے رائج ہونے کے قائل ہیں اور فرماتے ہیں: حق وانصاف کا تقاضا تو یہی ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی کو ترجیح حاصل ہے، مگر چونکہ ہم مقلد ہیں لہذا ہم پر اپنے امام ابو حنیفہ کی تقلید واجب ہے (تقریر ترمذی ص: ۴۰)

قارئین کرام! اس ایک مثال سے بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ ہمارے ہاں تقلید شخصی کے جمود کی حقیقت کیا ہے؟ کیا شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کی مذکورہ تقریر اس جمود کی تقاضی ہے؟ کیا شیخ رحمہ اللہ حق واضح ہونے کے باوجود قول امام سے چمٹے رہنے کا درس دے رہے ہیں؟ کیا شیخ صرف کتاب و سنت کی عصمت کے مدعی نہیں ہیں؟ اور باقی ہر ایک سے خطاً واقع ہونے کے امکان کے قائل نہیں ہیں؟ اور اس کے برعکس ایک مقلد عالم کا کردار کیا ہے؟ آپ نے بخوبی فرق محسوس کر لیا ہوگا، لہذا یہ بات ثابت ہوئی کہ تقلید جامد ہے اور شیخ کا فرمان کچھ اور ہے۔ (استدراج)

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہمیں ظاہر و باطناً ہر حال میں کتاب و سنت کو تھامنے والا بنادے، اور اسی منہج پر ہمیں موت دے، اور دینا و آخرت میں ہمارا انکراں و سرپرست بن جائے، اور ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو حق سے برگشتہ نہ کرے، اور ہمیں اپنی رحمت عطا فرمائے، کیونکہ وہی عطا کرنے والا ہے۔

تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کیلئے ہوں، جس طرح وہ چاہے اور اسے پسند ہو، اور جس طرح اسکی عزت و عظمت کے لائق ہو۔

تمام تعریفات اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس کے فضل و کرم سے نیک کام پایہ تکمیل تک پہنچتے ہیں۔

وصلی اللہ علی نبیا محمد و آلہ وصحبہ